جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ

اپریل ۱۹۹۷ء

قربانی کی فضیلت اور اہمیّت

(۱) حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بقرعید کے دن قربانی کا خُون بہانے سے بڑھ کر کوئی عمل اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہے اور بلاشبہ قربانی کرنے والا قیامت کے دن اپنی قربانی کے سینگوں اور بالوں اور کھروں کو لے کر آئے گا (یعنی یہ حقیر اشیاء بھی اپنے وزن اور تعداد کے اعتبار سے ثواب میں اضافہ در اضافہ ہونے کا سبب بنیں گی) اور (یہ بھی) فرمایا کہ بلاشُبہ (قربانی کا) خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجہ قبولیّت حاصل کر لیتا ہے، لہٰذا خُوب خوش دِلی سے قربانی کرو۔[۱]

(۲) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ملتی ہے، صحابہ کرام رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر اون والا جانور ہو (یعنی دنبہ ہو جس کے بال بہت ہوتے ہیں) اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا! اس کے بھی ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ہے۔[۲]

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہر سال پابندی سے قربانی فرماتے رہے۔[۳]

(۴) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا! مَنْ وَجَدَ سِعَةً لِاَنْ یُّضَحِّیَ فَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَحْضُرْ مُصَلَّانَا۔[۴]

یعنی جو شخص وسعت ہوتے ہُوئے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

---

۱ مشکوٰۃ ص۱۲۸ ۲ مشکوٰۃ ص۱۲۸ ۳ مشکوٰۃ ص۱۲۹ ۴ رواہ الحاکم (الترغیب والترہیب ص۱۰۳ ج۲)

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

جلد : ۵ | ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ - اپریل ۱۹۹۷ء | شمارہ : ۷

مدیر

سیّد محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے ----- سالانہ ۱۱۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات --- ″ ۴۵ ریال

بھارت، بنگلہ دیش ------- ″ ۱۰ امریکی ڈالر

امریکہ افریقہ -------- ″ ۱۶ ڈالر

برطانیہ ---------- ″ ۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۷۷۲۴۳۷۳-۲۰۱۰۸۶

فیکس نمبر ۷۷۲۶۷۰۲-۴۲-۹۲

○

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ——— ۳

درسِ حدیث ——— حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ——— ۶

رحمۃ للعالمینؐ اور سیاسی انقلاب ——— حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمّد میاںؒ ——— ۱۲

مقاصدِ شریعت ——— حضرت مولانا قاری محمّد طیّبؒ ——— ۲۳

ذکرِ محمود ——— حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ——— ۲۶

کلید بیت اللہ ——— ۳۵

تحفۂ اصلاحی ——— جناب مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ——— ۳۸

حاصلِ مطالعہ ——— مولانا نعیم الدّین صاحب ——— ۵۵

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلّہٗ خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلّہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد یو۔پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلّی علی رسولہ الکریم۔ امابعد!

گزشتہ ماہ کی ۱۶ تاریخ سے حکومت نے ملک بھر میں شادی ولیمہ رسم مہندی تیل اور منگنی وغیرہ تقریبات پر آنے والوں کے لیے کھانا تیّار کرنے پر مکمّل پابندی لگادی ہے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو بھاری جرمانوں کی سزا کا آرڈیننس بھی جاری کر دیا ہے۔ ملک بھر میں ہر سطح پر حکومت کے اس فیصلہ کو بہت سراہا گیا ہے خاص طور پر غریب اور متوسط طبقہ تو اس فیصلہ پر بہت خوش ہے اور یہ توقع رکھتا ہے کہ حکومت اس پر سختی سے عملدرآمد بھی کرائے گی۔ اس فیصلہ کے بہت جلد اچھّے نتائج سامنے آئیں گے۔ خاص طور پر غریب اور متوسط طبقہ کے بے شمار نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی شادیاں آسان ہو جائیں گی جو عرصہ سے شادیوں میں ہونے والی ان خرافات کی وجہ سے نہیں ہو پا رہی تھیں۔ اس کے نتیجہ میں معاشرے میں پھیلی فحاشی اور بے حیائی قدرتی طور پر کم ہو گی کیونکہ یہ قدرتی اُصول ہے کہ نکاح جتنا جلد اور آسان ہو گا، زنا اور بدکاری اتنی ہی کم بلکہ ختم ہوتی چلی جائے گی نیز خاندانی معاشی حالات پر بھی اس کا اچھّا اثر مرتّب ہو گا۔ بہت سے گھرانوں کو ان بے جا فضول خرچیوں کی وجہ سے بھاری قرضوں کا بوجھ اُٹھانا پڑتا تھا اور بعض اوقات سودی قرضہ حاصل کرنے کی بھی نوبت آجاتی تھی اور اور زندگی بھر کے لیے یہ خاندان قرض کے جال میں پھنس کر رہ جاتا تھا گویا ایک گھر آباد کرنے کے لیے پہلے سے آباد کئی گھر معاشی طور پر برباد ہو جاتے تھے اسی بربادی کے تسلسل نے پُوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا خدا کرے کہ حکومت اور عوام اس سلسلہ میں اپنی ذمّہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اس کو پُوری قوّت

سے کامیاب بنائیں، متمول طبقہ سے تعلق رکھنے والے خاندان بھی اس کو عزّت کا مسئلہ نہ بنائیں بلکہ دوسروں کی بہ نسبت اس عمل کو کامیاب کرنے میں زیادہ بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں تاکہ عند اللہ اجر و ثواب کے بھی زیادہ حاصل کرنے والے بن جائیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "اَعْظَمُ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مُؤْنَۃً (مشکوۃ ص۲۶۸) ترجمہ: مہر وغیرہ اخراجات کے اعتبار سے جو نکاح سب سے کم ہوگا۔ برکت کے اعتبار سے وہ سب سے زیادہ ہوگا۔

اگر شادیاں آسان اور کم خرچ ہو جاتی ہیں تو اس کے نتیجہ میں انسان کی ذہنی اور جسمانی صحّت پر بھی بہت اچھے اثرات مرتّب ہوں گے۔ مالی اخراجات کی فکر نے لوگوں کو ڈپریشن ٹینشن چڑچڑا پن جیسی نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا کر رکھا ہے جس کے نتیجہ میں خاندانی سکون و راحت تباہ و برباد ہو کر رہ گیا ہے۔ نتیجتاً شوگر بلڈ پریشر اور دل کی مہلک بیماریاں کثرت سے جنم لینے لگیں ہیں نیز مفت خوری کے شوقین حضرات ثقیل مرغن اور تیز مسالہ والے کھانوں پر جس بسیار خوری کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ باعث شرم ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کی جسمانی صحّت کے لیے بھی مہلک ہے کیونکہ خوراک کی بے اعتدالی سب سے پہلے معدہ پر اثر انداز ہوتی ہے اور معدہ کی خرابی سے ہر بیماری کی ابتداء ہوتی ہے۔ اسلام میں خوراک کے اعتدال پر بہت زور دیا گیا ہے اور نبی علیہ السّلام صحابہ کرام علماء ربانیین اور اولیاء اللہ نے اس پر زندگی بھر عمل بھی کیا ہے۔ بلکہ اختیاری فاقہ کا بھی ان حضرات میں بہت رواج رہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ المعدۃ حوض البدن والعروق الیھا وارد ۃ فاذا صحت المعدۃ صدرت العروق بالصحۃ واذا فسدت المعدۃ صدرت العروق بالسّقم (مشکوۃ ص۳۹۰) ترجمہ: معدہ جسم کے لیے (بمنزل) حوض ہے اور رگیں اس سے آملتی ہیں تو جب معدہ درست ہوگا تو رگوں کا پلٹنا (غذا وغیرہ کو لے کر) صحّت کے ساتھ ہوگا اور جب معدہ فاسد ہوگا تو رگوں کا پلٹنا مرض اور تکلیف کے ساتھ ہوگا۔

شادی اور دیگر تقریبات کا کھانا عام طور پر صحّت کے لیے مفید بھی نہیں ہوتا اور کھایا بھی بے اعتدالی سے جاتا ہے اس لیے بھی اس پر پابندی لگانا فائدہ سے خالی نہیں ہے جبکہ عام آدمی گھر میں کھانا ناپ تول کر پکاتا ہے اور سوچ سمجھ کر کھاتا ہے۔ لہٰذا خود بخود معدہ کا نظام درست رہے گا اور جسم انسانی بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہے گا۔ اور اُن کے علاج معالجہ اور دواؤں پر آنے والے بھاری اخراجات میں بھی نمایاں کمی واقع ہوگی۔ یہاں کھانے پر پابندی کے چند فوائد کا ذکر کیا ہے اس کے اور بھی بہت سے

اگر اس پر عمل ہو گیا تو لوگ خود ان فوائد کو محسوس کریں گے۔

"شادی گھر" اور "مرغی خانوں" سے تعلق رکھنے والوں نے اپنے "محدود مفادات" کو "قومی مفادات" پر ترجیح دیتے ہوئے اس پابندی کے خلاف ضرورت سے زائد واویلہ کیا ہے۔ حالانکہ ان کے لیے روزگار کے اور بھی بہت سے دروازے قدرت نے کھول رکھے ہیں جبکہ اُن کے کاروبار پر حکومت کی جانب سے براہ راست کوئی پابندی بھی نہیں لگائی گئی ہے۔ اور اس کاروبار سے تعلق رکھنے والے اکثر حضرات مضبوط مالی حیثیت رکھتے ہیں اور کوئی دوسرا کاروبار بآسانی کر سکتے ہیں بلکہ بہت سے ایسے بھی ہیں جن کے کئی قسم کے کاروبار ہیں اور کوئی مالی خسارہ ان کو اس پابندی سے پیش نہیں آیا

البتہ غیر معمولی نفع کمانے کے پیشگی تخمینوں اور راتوں رات مالدار بننے کے جنون نے ان کو وقتی پریشانی سے ضرور دوچار کیا ہے ورنہ تو پابندی کے باوجود ان کا کاروبار نفع سے خالی نہیں ہے۔ کاروبار میں نقصان اور بیروزگاری کا واویلہ مگرمچھ کے آنسوؤں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا ہمارا حکومت سے پُرزور مطالبہ ہے کہ وہ اپنے اس فیصلہ پر سختی سے عمل کرائے اور اس سلسلہ میں آرڈیننس کو فوری طور پر اسمبلی میں پیش کر کے باقاعدہ قانونی شکل دے۔ اسی طرح "ون ڈش" کے مطالبہ کو بھی مسترد کر دیا جائے۔ اس قسم کے مطالبات اپنی خواہشات کے پجاری چند مٹھی بھر نئے دولتمندوں کی طرف سے ہوتے ہیں جن کو عام آدمی کے مسائل سے کچھ سروکار نہیں ہوتا، بلکہ وہ عام آدمی کو انسان ہی نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دکھاوے اور ریاکاری کی بیماری سے بچائے اور سادگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

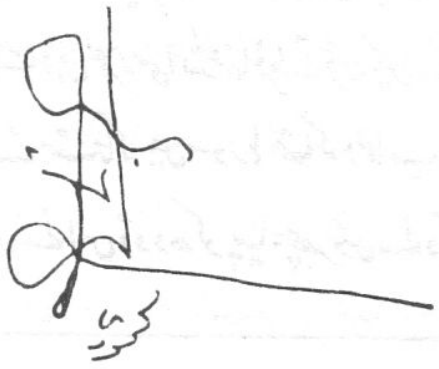

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور روح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں انہوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است خم و خمخانہ با مہرو نشان است

کیسٹ نمبر ۱۵ سائیڈ اے یکم اکتوبر ۱۹۸۲ء

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد! عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ اُتِیْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰی اِنِّیْ لَاَرَی الرِّیَّ یَخْرُجُ فِیْ اَظْفَارِیْ ثُمَّ اَعْطَیْتُ فَضْلِیْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) قَالَ الْعِلْمُ[1]

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ میں سو رہا تھا کہ (خواب میں) دُودھ سے بھرا ہوا پیالہ لا کر مجھے دیا گیا، میں نے اس دُودھ کو پیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ (زیادہ ہونے کے سبب اس دُودھ

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۷

کی) تری اور تازگی میرے ناخنوں سے پھوٹ رہی ہے اور پھر میں نے اپنا بچا ہوا دُودھ عمر بن خطابؓ کو (پینے کے لیے) دے دیا بعض صحابہؓ نے (یہ سُن کر) عرض کیا یا رسول اللہ! اس دُودھ کی تعبیر میں آپ کیا فرماتے ہیں فرمایا: علم"

اسلام میں ایک فرقہ گزرا ہے معتزلہ کا وہ یہ کہتے تھے کہ خواب کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ وہ خواب کی کوئی اصلیّت نہیں مانتے تھے، کسی کو خواب آ بھی گیا نظر تو ایسے ہی ہے جیسے خیالات ہیں اس سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے

ہارون الرشید کا دَور تو اچھا گزرا ہے اس دَور میں حضرت امام ابو یوسف اور ان کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہما یہ قاضی القضاۃ رہے ہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ اُن کے سامنے ایک کیس پیش ہُوا جس میں دعوٰی تھا خود امیر المؤمنین پر، یعنی ہارون رشید پر، اُنھوں نے اُس کو عدالت میں طلب کرلیا، مگر اُسے اعزاز و اکرام کے ساتھ بٹھاکر کہا کہ امیر المؤمنین آپ کے بارے میں یہ شکایت ہے آپ صفائی پیش کیجیے اس کی، فیصلہ بھی اُنھوں نے وہی کیا جو حق بنتا تھا۔ یہ فیصلہ امیر المؤمنین کے خلاف بنتا تھا۔ فیصلہ میں یا تو گواہ ہوتا ہے مُدّعی کی طرف سے، گواہ پیش ہوگئے ہوں گے یا مدعا علیہ کو قسم اُٹھانی پڑتی ہے۔ اگر مُدعی گواہ پیش نہ کرسکے۔ مدّعٰی علیہ خود ہارون رشید تھے اُنھوں نے قسم نہ کھائی ہوگی اس لیے فیصلہ اِن کے خلاف دیا اُنھوں نے، مگر بعد میں فرماتے تھے کہ مجھے یہ افسوس رہے گا ساری عمر کہ مَیں نے ان کو اعزاز کے ساتھ کیوں بٹھایا، چاہیے تو یہ تھا جہاں مدعی کھڑا تھا یا بیٹھا تھا اُسی جگہ یہ کھڑے رہتے یا بیٹھتے، دونوں کو برابر رکھنا چاہیے تھا۔ اس میں مجھ سے انصاف میں غلطی ہُوئی کہ مَیں نے اِن کو وہ درجہ کیوں نہیں دیا ایک درجہ سے ہٹاکر ان کو ممتاز جگہ کیوں دی۔ تو اُن کا دَور تو بہت اچھا تھا۔ اُن کا لڑکا مامون رشید پڑھنے لکھنے کا بڑا شوقین تھا۔ بڑا مطالعہ کرتا تھا علم حاصل کیا۔ بڑے بڑے لوگ اس کے اتالیق بنائے گئے۔ تربیت کے لیے رکھے گئے۔ اور اس کے بھی بڑے عجیب واقعات ہیں، خوبیاں اس میں تھیں۔

ایک اتالیق نے اس کی پٹائی کی وہ رونے لگا۔ اتنے میں ایک وزیر آیا، اس نے کہا مَیں آنا چاہتا ہوں مامون کی جو رہائش تھی۔ وہاں وہ رو رہا تھا۔ یہ بچپن کی بات ہے وہ استاد کہنے لگے کہ

میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہ رو رہا ہے اور ابھی ابھی میں نے اس کی پٹائی کی ہے چپت وپت لگائے ہیں اور یہ وزیر آگیا ہے تو یہ وزیر سے شکایت ضرور کرے گا۔ کہتے ہیں کہ میں ابھی اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ وزیر جاکر بادشاہ سے کہے گا شکایت میری لمبی چلی جائے گی تو جو لوگ بڑی علمی فضیلت رکھتے ہیں اُن کو پھر یہ خیال ہوجاتا ہے کہ پھر میں نہیں پڑھاؤں گا۔ یہ خیال آتا ہے کہ اگر ایسا ہُوا تو نہیں پڑھاؤں گا، لیکن وہ کہتے ہیں کہ جب وہ آیا تو مامون نے کہا کہ ذرا ٹھہریں، اندر آنے کی اجازت نہیں دی، اُس نے آنسو پُونچھے اپنا حلیہ ٹھیک کیا اور بڑے وقار سے بیٹھ گیا۔ پھر اُس نے کہا کہ بُلا لو، وہ آیا بیٹھا اور چلا گیا، اُس نے اِن کی شکایت یا اس طرح کے حلیہ دکھانے کی کوئی بات نہیں کی، وہ چلا گیا تو پھر اُنھوں نے پڑھانا شروع کیا وہ کہتے تھے کہ میرے ذہن میں اس کی ایک عزّت قائم ہو گئی اور اس کا وقار قائم ہوگیا، تو اُس کو مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ اُس نے یہ کیا کہ فلسفی بن گیا معتزلی ہوگیا۔

معتزلہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو چیز ہماری سمجھ قبول کرے وہ ہم مانیں ورنہ نہیں، چاہے قرآن پاک کی آیت ہو، تفسیر ہو، حدیث ہو جو سمجھ میں آئے وہ مانیں گے۔ ورنہ نہیں مانیں گے، اب چونکہ قرآن پاک کی آیت کا انکار تو کر نہیں سکتے اس لیے اُس کے ترجمہ میں تبدیلی کر لیتے تھے۔ ترجمہ میں تبدیلی کرنا یہ ایک اُن کا سلسلہ چلا آرہا ہے، چنانچہ معجزات کا وہ ہمیشہ انکار کرتے رہے ہیں۔

تو یہ مامون الرشید جو تھا یہ خواب کا قائل نہیں تھا جیسے اور معتزلہ قائل نہیں تھے، ایک دفعہ ایسا ہُوا کہ اس نے ایک خواب دیکھا کہ میں ٹہلنے کے لیے گیا ہوں اور وہاں میرے ساتھ میرا موکب ہے، موکب کہتے ہیں اُس کو جیسے یہ صدر مملکت گزرتے ہیں تو اُن کے آگے چلتے ہیں، صبح اُٹھا تو اسی طرح نکلا باہر، باہر گیا تو دیکھا کہ اسی طرح ایک شخص آیا اس کو روکا گیا اُس نے کہا آنے دو قریب، وہ قریب آیا اور خط دیا، خط کھولا تو اس میں وہی مضمون تھا جو اُس نے خواب میں دیکھا تھا۔ اس کے بعد خواب کا قائل ہُوا ہے، لیکن اسلام نے خواب کی تعبیر بھی دی ہے۔ حضرت یُوسف علیہ السّلام کے خواب کا قصّہ قرآن میں آتا ہے اور حضور علیہ السّلام کے خواب کا ایک واقعہ اس حدیث میں آیا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے خواب دیکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق تو اس کی تعبیر دی کہ اس سے مُراد علم ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم بہت زیادہ تھا حافظہ بڑا زبردست تھا۔

ایک دفعہ کا قصّہ ہے، بالاختصار ذکر کرتا چلوں یہ کہ ایک شخص نے ایک قصیدہ سُنایا حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما کو حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما نے وہ قصیدہ سُنا تو اس میں ایک شعر تھا، اس کے ایک مصرع میں ایسے معنی بھی پیدا ہو سکتے تھے جو اچھّے نہ ہوں اس اثناء میں آپ سے ایک آدمی نے کہا کہ مَیں آپ سے مسئلے پُوچھ رہا تھا۔ وہ خارجی تھا۔ بہت دیر تک مسئلے پُوچھتا رہا صبح سے اُن کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ آپ جواب دیتے تھے۔ اتنے میں وہ شاعر آپ کے پاس سے گزرا تو آپ نے اُسے بلا لیا اس سے شعر سُنا یہ خارجی درمیان میں کہنے لگا کہ آپ نے شعر سُنے اور مَیں آپ سے مسئلے پوچھ رہا تھا تو یہ شعر سُننے میں کیا خاص بات ہو گئی ثواب کی یا بہتری کی، جبکہ اس میں یہ شعر بھی ہے جس کے یہ معنی بنتے ہیں، اُنھوں نے فرمایا کہ یہ تو اُس نے نہیں کہا یَقْسَرُ اور یَقْصَرُ یعنی س اور ص کا فرق ہے صرف تو اگر صاد سے لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ شام کو سردی لگتی ہے۔ اَمَّا بِالْعَشِیِّ فَیَقْصَرُ مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس کپڑے وپڑے نہیں ہیں سامان نہیں ہے تو اس خارجی نے کہا کہ آپ کو یاد ہے یہ شعر پُورا، کہنے لگے یہ شعر کیا مجھے تو پُورا قصیدہ یاد ہو گیا جو اس نے سُنایا ہے، وہ کوئی بڑا پکا بے شرم آدمی تھا۔ مُنہ پھٹ جسے کہتے ہیں بے تکا اُس نے کہا اچھّا پھر ذرا سُنائیے مجھے یہ، اُنھوں نے وہ دوہرا دیا کہنے لگا یہ آپ نے پہلے سے سُن رکھا ہو گا اس لیے یاد ہو گا۔ اُنھوں نے کہا اس سے پُوچھ لو یہ تازہ اشعار ہیں۔ یہ شاعر موجود ہے اس سے پُوچھ لو، جب کوئی تدبیر نہ رہی تو یہی بات معین ہو گئی کہ واقعی اسی وقت سُنے ہیں اور واقعی یاد ہو گئے ایک ہی دفعہ کے سُننے میں اسّی اشعار یاد ہو جائیں بہت بڑی بات ہے۔

امام ابو یُوسُف رحمہ اللہ کے بارے میں بھی یہ ہے کہ سَو حدیثیں سُن لیتے تھے ایک ہی مجلس میں تو ظاہر ہے کہ سو حدیثوں کی مجلس بہت بڑی ہو گی۔ کافی وقت لگے گا۔ وہ سُن کر ایک ہی دفعہ میں اُنھیں یاد ہو جاتی تھیں۔ آج کل بھی روزنامہ جسارت وغیرہ اخبارات میں آتے ہیں تراشے —— کچھ منتخب قصّے کچھ چیزیں جسارت خاص طور پر دے رہا ہے۔ ایسے واقعات عجیب عجیب اُس میں یہ انسانی کمپیوٹر وہ ایک دفعہ کوئی چیز پڑھ لیتا تھا۔ بھولتی ہی نہیں تھی اسے، تو اس کے بارے میں ہدایت کی (نام اس کا لکھا ہے) کہ اسے کوئی خُفیہ فائل نہ دکھائی جائے، کیونکہ یہ تو بھولے گا نہیں۔ پھر اسے یاد رہے گی۔ پتہ نہیں کسی وقت ظاہر کر دے تو اس طرح کے لوگ تو ہیں کوئی کوئی۔

فرانس میں ایک قتل ہوگیا تھا ایک ہوٹل میں، اُس کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ معلومات کر رہے تھے اُس کی تو ایک آدمی ایسا تھا کہ جو سُنتا تھا یاد ہو جاتا تھا اس نے کہا کہ میں نے اُن کی آوازیں سُنی تھیں یہ یہ کہہ رہے تھے اور یہ یہ آوازیں آئی تھیں، یہ یہ کلمات تھے اور کون سی زبان کے تھے یہ اُسے نہیں پتہ اُنھوں نے پھر زبان والوں سے پُوچھا پھر اس سے معلوم ہوگیا۔ وہ پکڑا گیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ دُہرا دیے اس نے وہ کلمات جو سُنے تھے، تو ایسی چیزیں یہ نہیں ہے کہ یہ جھوٹی ہیں بلکہ اُن کی مثالیں دُنیا میں موجود ہیں، آجکل جو سمجھنے میں دُشواری ہوتی ہے ہمیں یہ ہمارا خیال صحیح نہیں ہے بلکہ ایسی مثالیں موجود ہیں، تو وہ خارجی ان سے کہنے لگا کہ میں نے آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا جس کے حافظہ کا یہ حال ہو ایک دفعہ میں اتنے اشعار یاد ہو جائیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے حضرت عمرؓ جیسا کسی کا حافظہ اور روایت کرنے والا کوئی نہیں دیکھا وہ پوری بات نقل کر سکتے تھے اور ایک دفعہ میں یاد ہو جاتی تھی اور جو یاد ہوگئی وہ بھولتی ہی نہیں تھی۔ میں نے اُن جیسا نہیں دیکھا تو یہ چیزیں جو حاصل تھیں اُنہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور اللہ کی طرف سے اور یہ برکاتِ صحیحہ تھیں اُن کے پاس

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جا رہے تھے پہلے ہی سفر میں وہ فرماتے ہیں کہ رابغ کے مقام پر میں سویا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی کہتے ہیں کہ میں پاؤں میں گر گیا، فرمایا کہ کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جو کچھ پڑھا ہے وہ یاد ہو جائے اور جو نہیں پڑھا وہ مطالعہ سے نکال سکوں تو آپ نے فرمایا کہ جا تجھ کو دیا۔ اس طرح کے کلمات غالباً تحریر ہیں تو واقعۃً اُن کا یہی حال تھا کہ وہ ہر کتاب کا حوالہ بلا تکلف نکال سکتے تھے ہر وقت، جو ہم یاد بھی کر لیں اگر تو ہمیں دقت ہوگی اور تکلّف ہوگا مگر ان کا پڑھاتے وقت یہی حال تھا، وہ کتابیں ساتھ رکھ لیتے تھے اور جس کتاب کے جس حوالہ کی ضرورت ہوتی تھی وہ کتاب کھول کر نکال لیتے تھے، دیوبند میں اور کسی عالم میں یہ بات نہیں تھی، یا اُن سے پہلے مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تھی یہ بات، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اُس خواب کی برکات تھیں کہ جو کچھ پڑھا تھا وہ یاد ہوگیا اور جو نہیں پڑھا تھا وہ مطالعہ سے نکالنے کی اہلیت ہوگئی کہ نہ پڑھا ہُوا بھی مطالعہ سے نکالا جا سکے اور پڑھایا جا سکے۔

مولانا انور شاہ صاحبؒ نے یہ طریقہ اپنے وفورِ علم کی وجہ سے ایجاد کیا تھا، مولانا انور شاہ صاحبؒ

کا اختلاف ہُوا دیوبند میں تو وہ وہاں سے سفر کر گئے۔ ڈھابیل تشریف لے گئے، وہاں نیا مدرسہ بنا لیا یہاں ضرورت تھی کہ کوئی اسی طرح کا آدمی آئے تو پھر بُلایا گیا حضرت مولانا (مدنیؒ) کو، حافظ احمد صاحب گئے۔

مجھے مولانا طفیل صاحب جن کا ہب ندی کے پاس دارالعلوم ہے کراچی میں وہ بتلاتے تھے کہ مولانا حافظ احمد صاحبؒ سلہٹ گئے اور حضرت نے جب عذر کیا تو اُنھوں نے اپنی پگڑی ان کے پاؤں میں رکھ دی۔

حافظ احمد صاحبؒ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے تھے۔ بہرحال وہ تشریف لانے پر مجبور ہُوئے جب وہ آئے تو اُنھوں نے سادہ پڑھانا شروع کیا، بلاحوالہ دکھائے، مختصر، مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کا یہ طریقہ تھا کہ دکھاتے تھے حوالے، مگر اُن کے اُستاد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ حوالے نکال نکال کر دکھاتے رہیں تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اُستاد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ والا ہی سادہ طریقہ رکھا، لیکن پھر مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ جو علّامہ عثمانیؒ کے بڑے بھائی اور مہتمم تھے اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ بھی تھے اُنھوں نے کہا کہ ذرا تفصیل ہونی چاہیے، ذرا تفصیل سے پڑھایا کیجیے۔ بس پھر اُنھوں نے وہی انداز اختیار کر لیا تفصیل والا پھر ساری عمر وہی چلتا رہا اور پہلے تو وہاں حدیث کی جماعت میں تھوڑے طالب علم ہوتے تھے۔ تینس۳۰ پینتیس۳۵، چالیس۴۰، پچاس۵۰، ساٹھ ستر۶۰ بس اس سے زیادہ نہیں ہوتے تھے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کے زمانے میں اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تین سو ساڑھے تین سو تک ہونے لگے جماعت میں بہت بڑی تعداد بڑھ گئی، تو یہ چیزیں جو ہیں یہ ایسی ہیں کہ اللہ کی طرف سے جیسے کسی کو عطا ہو گئی ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ تعریف جو پہلے گزری ہے وہ ان کی پاکی کی تھی کہ شیطان بھی اس راستے سے نہیں گزرے گا جدھر سے تم گزرو گے راستہ بدل دے گا اور اس حدیث شریف میں ان کے علم کی تعریف آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے علم سے نوازا اور علم بھی وہ جو پاکیزہ ترین علم ہے یعنی جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ جو علم پہنچا وہ خُدا نے ان کو عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا سے اور ان عطاؤں سے نوازتا رہے۔

(قسط: ۷ آخری)

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

اور

سیاسی انقلابات

ذیل میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ کی ایک نادر تحریر پیش کی جارہی ہے جو آپ نے رحمۃ للعالمین اور سیاسی انقلابات کے عنوان سے لکھی تھی۔ آپ کی یہ تحریر عرصہ سے نایاب تھی حال ہی میں ادارہ کو ایک قدیم لائبریری سے دستیاب ہوئی تھی۔ (ادارہ)

ساتواں باب

عقیدۂ توحید اور رحمۃ للعالمین کا اثر

سیاسیاتِ عالم پر

(۱)

انسان دُنیا میں منتشر اور پراگندہ تھا۔ وہ ہزاروں ٹولیوں پر تقسیم ہو چکا تھا لیکن جغرافیائی نقشہ نے ایک کو دوسرے سے جُدا کر دیا تھا۔ کہیں رنگ اور صُورت کے امتیازات نے۔ کہیں نسلی جنگ تھی۔ کہیں قبائلی جنگ ـــــ دُنیا پراگندگی اور اختلافات کا عبرتناک جہنّم بنی ہُوئی تھی۔

جامعہ بشریت۔ ایک دردناک عذاب میں مُبتلا تھا۔

یکایک رحمت حق متحرک ہُوئی۔ فاران کے اُفق پر نُور کا تڑکہ نمودار ہُوا۔ مکّہ کی وادی سے رحمت اور ہدایت کا آفتاب طلوع ہُوا۔ جس نے انسان کی تمام ٹولیوں کو ندا دی۔

تم ایک خالق کی مخلوق ہو ——— صرف ایک کے سامنے جھکو۔

ابراہیمؑ ہوں یا اسحاقؑ۔ موسیٰؑ ہوں یا عیسیٰؑ۔ مرکز فیض ایک ہی ہے۔ نور ایک ہی ہے۔ تم مرکز نور کی تلاش کرو۔ تمام لڑائیاں ختم کر دو۔ ایک آفتاب کی روشنی میں آجاؤ۔ دنیا کا کوئی نہ کوئی ٹکڑا۔ کوئی ملک اور دنیا کی کوئی جماعت، کوئی ٹولی۔ نہیں جس میں اس مرکز نور کا نور نہ پہنچا ہو۔ جس میں آفتاب ہدایت کے چاند تارے طلوع نہ ہوئے ہوں۔

جس قوم کے پاس بھی ہدایت اور رشد و کمال کا کوئی حصہ موجود ہے وہ جزء ہے اسی ایک مخزن کا وہ فیض ہے۔ اسی ایک مرکز۔ وہ پرتو ہے اسی ایک نور کا

إِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ — کوئی جماعت ایسی نہیں جس میں نبی نہ آیا ہو۔

آج سے نسلی امتیازات کا خاتمہ ہے۔ رنگ اور صورت کی تفریق دفن کر دی گئی۔ عرب اور عجم کے تمام امتیازات زیر خاک کر دیے گئے۔ وہ آبائی فخر جس پر قبائل کو ناز ہے اور اتنا ناز کہ اسی کے نام پر ایک دوسرے کی تذلیل اور توہین کے درپے ہیں وہ سب جہنم میں ڈال دو۔ وہ دوزخ کی چیز ہے۔ جامعہ بشریت کے لیے دردناک عذاب ہے۔

کیسی اچھی تھی یہ دعوت۔ کیسی پیاری تھی یہ آواز۔ کاش فرعون اور قارون کے پیرو، غرور اور ظلم کے دیوتا۔ خود غرضی اور شہوت رانی کے اصنام اپنی خود غرضیوں۔ اپنے غرور اور تکبر کو چھوڑ کر اس کی طرف کان لگاتے اور دل کے کانوں سے سن کر اس کو دل میں رکھتے۔ اس کے بموجب عمل پیرا ہوتے، لیکن جبکہ وہ فرعون اور قارون کے پرستار بن چکے تھے تو کیسے ہو سکتا تھا کہ رحمٰن کے پرستار بنتے۔ انھوں نے اس آواز سے اپنے وقار اپنے جاہ و جلال اپنی اغراض اور اپنی خواہشات کے لیے خطرہ محسوس کیا اور وہ پرے جما کر اس آواز کو دبانے اور آواز دینے والے کو کچلنے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔

مگر جنگ کا رُخ پلٹ چکا تھا۔ برادریوں کی تفریق یکسر ختم ہو گئی تھی۔ نسلی اور جغرافیائی جنگ کے بجائے نور و ظلمت کی جنگ چھڑ گئی تھی۔

سب سے پہلے اس سبق کا عملی اثر یہ تھا کہ اسی آبائی نخوت اور غرور کی فضا میں پلے ہوئے

نوجوان جب اس انقلابی تحریک کے دلدادہ اور حلقہ بگوش ہو گئے تو اُن کو کوئی عار نہ محسوس ہوئی کہ وہ اپنے آقا کے حکم کے بموجب اس ملک میں پہنچ کر پناہ لیں جس کو وہ تمام دُنیا میں ذلیل سمجھا کرتے تھے۔ جہاں کے آدمی اُن کے ہاں صرف ایک ہی کام کے لیے آتے تھے۔ یعنی غلامی کے لیے اور جن کی رنگت تمام دُنیا میں بدترین اور قابل مضحکہ تھی۔ یعنی حبشی رنگت اور جن کا بادشاہ "اصحمہ" وہ تھا جس پر غلامی کا ایک دَور گزر چکا تھا۔

دیکھو یہ ہے انقلاب۔ انہیں مغرور اور متکبّر دیوتاؤں کے بیٹے کس طرح آج بغل گیر ہو رہے ہیں۔ بلال حبشی سے سلمان فارسی سے۔ صہیب رومی سے۔ یہ تھا سب سے پہلا سبق جس کی تعلیم دی گئی ان الفاظ میں۔

لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ ـــــ الی قولہ تعالیٰ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (حجرات ع ۲)

اے ایمان والو۔ مذاق نہ اُڑائے ایک قوم دوسری قوم کا بہت ممکن ہے وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عورتیں مذاق اُڑائیں دوسری عورتوں کا۔ شاید وہ بہتر ہوں اُن سے۔ اور عیب مت ڈالو ایک دوسرے میں اور چڑانے کے لیے نام مت ڈالو۔ ایمان کے بعد گنہگاری بری بات ہے (یعنی مُسلمان ہونے کے بعد گنہگار (قانون الٰہی کا غیر پابند) نہ ہونا چاہیے۔ اور جو توبہ (رجوع) نہ کریں وہی ہیں ظالم۔ اے مسلمانوں بچتے رہو، بہت کچھ بدگمانیوں سے۔ کیونکہ بعضے گمان گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا۔ اور بُرا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو کیا تم میں سے کسی کو پسند ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اس سے تم کو گھن آتی ہے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ رحم فرمانے والا ہے۔ اے آدمیو۔ ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہارے خاندان اور قبیلے اس لیے بنا دیے کہ آپس میں پہچان سکو۔ بلا شُبہ خدا کے ہاں اس کی عزّت زیادہ ہے۔ جس کا ادب (تقویٰ) زیادہ ہے۔ اللہ سب جانتا ہے اور خبردار ہے۔

نیز ارشاد ہُوا۔

فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا

اللہ کے پیدا کرنے کا ایک طرز جس پر تمام

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ - ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (قرآن حکیم)

آدمیوں کو پیدا کیا خدا کے پیدا کرنے میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہ ہے صحیح اور مضبوط مذہب۔

کالا ہو یا گورا، یورپ کا ہو یا ایشیا کا عربی ہو یا عجمی، برہمن ہو یا شودر۔ سارے انسانوں کی پیدائش کا طرز ایک ہے۔ فطرت نے سب کو یکساں کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید تشریح فرمائی کل مولود یولد علی الفطرۃ۔ ہر بچہ ایک ہی طرز پر پیدا کیا جاتا ہے

اور دیکھو تعلیم کی کامل تصدیق اور عملی تکمیل یہ ہے کہ جب مساوات اور انسانی یکسانیت کا سب سے پہلا اور سب سے کامل علمبردار۔ ظفر و نصرت کے پرچم لہراتا ہوا۔ سارے مغرور اور متکبروں کی اکڑی ہوئی گردنیں اسلامی عظمت وجلال کے سامنے خم کرتا ہوا مکّہ معظّمہ پہنچتا ہے۔ تو کر و فر اور جاہ جلال کے اس عظیم الشان مظاہرے کے ساتھ کہ جب دُنیا کے مسولینی اور ہٹلر۔ تمام معاہدات اور اعلانات کو ردی کی ٹوکری میں ڈالتے ہیں۔ یہ انسان اور انسانیت کا حقیقی رہبر حشمت و شوکت کی اونچی چوٹی پر کھڑے ہو کر اپنے مشہور خطبہ میں ارشاد فرماتا ہے۔

لینتھین اقوام یفتخرون بآبائھم الذین ماتوا انما ھم فحم جھنم اولیکونن اھون علی اللہ من الجُعَل الذی یدھدہ الخراء بانفہ - ان اللہ اذھب عنکم عبیت الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء انما ھو مومن تقی او فاجر شقی الناس بنو آدم و آدم خلق من تراب (ترمذی شریف ص۲۳۲ ج۲)

وسیرۃ ابن ہشام ص۴۱۲ ج۴)

جو قومیں اپنے مرے ہوئے باپ دادوں پر (جو کہ دوزخ کا کوئلہ ہو گئے ہیں۔) فخر کرتی ہیں وہ اس فخر و غرور سے رُک جائیں۔ ورنہ خدا کے نزدیک اس گوبر کے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گی جو اپنی ناک سے پلیدی ہٹاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت کا غرور اور باپ دادوں پر فخر کا پُرانا طریقہ تم سے مٹا دیا۔ صرف یہی صورت ہے کہ یا مومن جو پرہیزگار (قانونِ خداوندی کا پابند) ہو۔ یا بدکار بدبخت۔ سارے آدمی آدم علیہ السّلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السّلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔

بی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی
ولا لاسود علی ابیض فضل۔ ولا
لی اسود فضل الا بالتقوی
نہا
شر قریش لا تجیئو بالدنیا تحملو
و و یجیءُ الناس بالاخرۃ۔ فانی
عنکم من اللہ شیئا لہ

لہٰذا نہ عربی کو عجمی پر فضیلت اور نہ عجمی کو عربی پر۔
نہ کالے کو گورے پر۔ نہ گورے کو کالے پر، مگر صرف
قانون کی پابندی سے۔
اے قریش کی جماعت لہ۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے
دن اور آدمی تو (سامان) آخرت لے کر آئیں اور
تم دُنیا کو گردنوں پر لادے ہوئے آؤ۔ یقین جانو
مَیں تمہیں خدا سے بے نیاز نہیں کرسکتا۔

یہ کہاں دیا جارہا ہے اس شہر میں جو "ام القریٰ" "تمام بستیوں کی اصل" ہے۔
بیت کے دروازے پر (کھڑے ہو کر دونوں چوکھٹوں پر دست مبارک رکھ کر) جو نوع انسان
کے لیے سب سے پہلے بنایا گیا جس کو رب العالمین کا بیت کہا جاتا ہے۔ جس کی طرف
کے وقت رُخ کیا کرتے ہیں۔ تم نے دیکھا۔ مرکز رحمت نے۔ انسانی آبادی کے مرکز سے۔
اور انسانی یکسانیت کا کیسا پیغام سُنایا اور نسلی غرور کے دیوتاؤں کو کس طرح ڈانٹا۔
م کا نکتہ جس کو دُنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یہ ہے دین متین کا سوشلزم جس سے ساری دُنیا
بت کا پیغام سُناتا ہے۔ یہ ہے عقیدۂ توحید کا اثر۔ کہ عالم انسانیت کو ایک سطح پر کھڑا

تم نے دیکھا۔ عالم انسانیت کی وحدت اور مساوات کس بلند آہنگی سے ثابت کی
گئی۔ اب صرف ایک تقسیم لازمی رہی جس سے کوئی مساوات۔ کوئی قانون بھی مستثنٰی

ہزاروں دھکے کھانے کے بعد۔ آج دُنیا ملوکیت پر لعنت بھیج رہی ہے، مگر رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پونے چودہ سو سال پیشتر ارشاد فرمایا تھا۔

اخنع اسم الی اللہ یوم القیامۃ رجل تسمی ملک الاملاک۔ لا ملک الا اللہ۔ قال ابو سفیان شاھنشاہ۔ (شیخین۔ ابو داؤد، ترمذی) جمع الفوائد ص ۱۶۳ ج ۲	لعنتی نام خدا کے نزدیک قیامت کے دن یہ ہے کہ کوئی انسان اپنا نام ملک الاملاک تجویز کرے۔ یعنی شاہنشاہ۔ ملک صرف اللہ کا ہے۔

حضرت حق نے ارشاد فرمایا اِنِ الحکم الا للہ (حکم صرف خُدا کا ہے)

آج دُنیا سرمایہ داری پر لعنت بھیج رہی ہے، مگر قرآن پاک کا یہ ازلی اعلان ہے۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ۙ	جو لوگ سونا اور چاندی جوڑ کر (کنز بنا کر) رکھتے ہیں اور اُن کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اُن کو دردناک عذاب کی خبر سُنا دو۔
یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ؕ ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون ۝	اس روز کہ دوزخ کی آگ میں سونے چاندی سے اُن کی پیشانیاں۔ اُن کے پہلو۔ اور اُن کی کمریں داغی جائیں گی کہ "یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لیے جوڑ رکھا تھا۔ اب چکھو اُس کو جو جوڑ رکھا تھا۔ (پ ۱۰ ع ۵)

بے شک اسلام نے ملکیت تسلیم کی ہے۔ کیونکہ اسلام کی تعلیم فطرت کے مخالف نہیں۔ نیز دولت کا چالیسواں حصّہ سالانہ نکالنے سے "کنز" کی مذکورۂ بالا نحوست باقی نہیں رہتی۔ مگر "رحمت" اور "عافیت" کا صحیح پھیلاؤ یہ ہے کہ "دولت مند" یا "غنی" کا معیار اتنا گھٹا دیا کہ جو شخص ضروریات سے فاضل ۵۲ تولہ چاندی کا سال بھر مالک رہے۔ اس پر بھی چالیسواں حصّہ خرچ کرنا فرض ہے۔

اور پھر رحمت عامہ کا دوسرا حصہ ملاحظہ ہو کہ ارشاد ہے۔

اما السائل فلا تنھر (سورہ ضحیٰ ع ۳۰)	سائل کو مت ڈانٹو
وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (ذاریات ع ۱۔ پ ۲۶)	اُن کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم (مفلس) کا

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔

ان فی المال حقاً سوی الزکوٰۃ مال میں زکوٰۃ کے سوا حق ہے۔

پھر امن عامہ کا پُورا نظارہ کرنا ہو تو غور کرو کہ یہ حکم صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔

زکوٰۃ کے مقابلہ پر غیر مسلم پر صرف تین ٹیکس ہیں جن کو جزیہ کہا جاتا ہے۔

۱۲ درہم سالانہ۔ یعنی ۳۰ر ماہوار۔ معمولی درجہ کے کمانے والے مردوں پر۔ اوسط درجہ کے مردوں پر۔ ۲۴ درہم سالانہ یعنی ۷ر ماہانہ اس کے بعد وہ جس قدر دولت بھی رکھے اُس پر صرف ۴۸ درہم یعنی ۱۴ر ماہانہ واجب ہوں گے، ہاں بیشک تجارت کی شکل میں مسلم سے وہی چالیسواں حصہ لیا جائے گا اور غیر مسلم سے بیسواں حصہ، لیکن اس کی تلافی اور تدارک کے لیے یہ بھی قابلِ غور ہے کہ مسلم سے اس کے مویشی پر بھی خاص قسم کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ مثلاً تیس گائے بیل ہوں۔ تو ایک سالہ بچھڑا، لیکن غیر مسلم پر یہ زکوٰۃ نہیں۔

(۳)

اُصولِ حکومت قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی آیت غور وخوض کے لیے نقل کی جاتی ہے۔ جس ترتیب پر بے اختیار قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔

رب الناس ۔ ملك الناس ۔ الٰه الناس۔

یعنی چونکہ وہ تمام انسانوں کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے (لہٰذا) انسانوں کا بادشاہ ہے۔ (اور اسی لیے وہ) تمام انسانوں کا خدا ہے۔

(۴)

وضع قانون (الف) اُصول قانون اور اساسی دستور بنانے کا حق صرف اسی کو ہوگا جو ہر ایک انسان کی فطرت اُس کے جذبات رجحانات اور اسکی ضرورتوں سے واقف ہو۔ لہٰذا ان الحکم الا للہ ــــ حکم "قانون" صرف اللہ کا۔

کیونکہ ــــ وہ ربّ العالمین ہے۔ تمام جہانوں کا پالنے اور پیدا کرنے والا۔

وہ ــــ ارحم الراحمین ہے۔ تمام مہربانوں میں سب سے زیادہ اور سب سے بڑا مہربان۔

لہٰذا وہ ــــ احکم الحاکمین ہے یعنی حکومت کے تمام دعوے داروں میں سب سے بڑا حاکم۔

چونکہ اس کے ماسوا نہ کوئی پروردگار ہے، نہ ارحم الراحمین۔ لہٰذا

من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون ـــــ ھم الفاسقون

جو خداوند عالم کے نازل کردہ قانون کے بموجب فیصلہ نہ دے وہ ظالم ہے۔ فاسق ہے۔

(ب) انسان محض فرمانبردار نائب کی حیثیت سے اُس قانون کو نافذ کرلے اسی لیے انسان کو پیدا کیا گیا۔

انی جاعل فی الارض خلیفۃ ۔ یعنی آدم علیہ السّلام کی پیدائش کے وقت ارشاد ہوا تھا کہ "میں زمین پر خلیفہ بناتا ہوں"

چنانچہ اسلامی جمہوریہ کے ناظم اعلیٰ کو یہی خطاب دیا گیا۔ یعنی خلیفہ۔ یعنی خدا کا نائب تاکہ اُس کا قانون نافذ کرے اور تمام اہلِ ملک کا نائب تاکہ اُن کے باہمی نظام کو برقرار رکھے۔ ہر ایک کا ملکی شہری۔ اقتصادی اور انسانی حق ادا کرتا رہے جو ایک امانت ہے۔ غور کرو ارشادِ ربانی ہے۔

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ ۔ ان اللہ کان سمیعا بصیرا	اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ امانتیں اُن کو ادا کردو جن کی وہ ہیں اور جب تم انسانوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرلو۔ بلاشبہہ خداوند عالم جس چیز کی نصیحت کر رہا ہے وہ بہت ہی بہتر ہے۔ بیشک خدا تمام چیزیں سُنتا اور دیکھتا ہے (لہٰذا تم ہر فیصلہ کے وقت یقین رکھو کہ خدائے برتر کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔)
یا یھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ۔ فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول۔	اے مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو۔ رسول کی اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم آپس میں کسی چیز کے متعلق جھگڑنے لگو تو اس کو خدا اور اُس کے رسول کی طرف لے جاؤ (کیونکہ وضع قانون کا حق انہی کو ہے۔)

(ج) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس لیے آئے کہ قانون الٰہی کی تفصیل کردیں، مگر چونکہ وہ قانون رحمت ہے۔ لہٰذا آپ کے بھیجنے کا مقصد یہی ہوا کہ تمام جہانوں پر مہربانی کی جائے۔

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

(د) چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ لہٰذا

ما اتاكم الرسول فخذوه — جو تم کو رسول دے وہ لے لو۔ اور جس سے

وما نهاكم عنه فانتهوا — روکے رُک جاؤ۔

(ہ) آپ کے تمام خلفاء کی حیثیت وہ ہے جو فاروقِ اعظم رضؓ نے فرمائی۔

انی قاسم مسئول — میں تقسیم کرنے والا ہوں جس سے باز پرس ہوگی۔

(۵)

قانون کا طریقہ قانون میں سب سے اہم چیز۔ منشاء اور نظریہ ہے۔ گاندھی جی ۱۹۳۱ء میں کہا کرتے تھے۔

"مَیں ایسا نظام چاہتا ہوں جس میں آزادی کی رُوح ہو"

گزشتہ تحریر کے بعد اس کے لیے مزید دلائل کی ضرورت نہیں کہ اس قانون کا نکتہ نظر قرار دیا گیا۔

هدایت - رحمة - احسان - عدل - تقوی - چنانچہ

(الف) ولقد جئناهم بكتاب فصلناه على علم هدى ورحمة لقوم يؤمنون (قرآن حکیم)

ہم نے پُوری واقفیت اور علم کے ساتھ ان کو ایک مفصل کتاب دی ہے کہ جو اس پر یقین رکھیں اُن کی رہنمائی ہو اور مہربانی کی جائے۔ (یقین کی قید ہر قانون کے لیے لازمی ہے۔ کوئی بھی قانون اس کی برکت یقین اور اُس کی تعمیل کے بعد ہی ظاہر ہوگی)

(ب) اس قانون کا آغاز جس شان سے ہوا۔ اس کو ہم پانچویں باب کے آخر میں درج کر آئے ہیں۔

(ج) ان الله يامركم بالعدل والاحسان۔ و ينهاكم عن الفحشاء والمنكر

خدا تم کو حکم کرتا ہے انصاف اور احسان کا۔ اور تم کو منع کرتا ہے فحش اور بُری باتوں سے

واذا حكمتم بين الناس ان تحكموا بالعدل

جب آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو۔ تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

ایسا انصاف کہ

یا یھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا - اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔ (سورۂ مائدہ)

خلاصہ یہ ہے کہ خداوندی احکام کو مضبوطی سے قائم کرو۔ انصاف کے ساتھ شہادتیں دو۔ ہرگز ہرگز ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کی مخالفت اور کینہ پروری تم کو ناانصافی پر آمادہ کردے (حالانکہ ایسی ناانصافی کو آج کل قوم پروری سمجھا جاتا ہے) انصاف سے کام لو۔ وہی تقوٰی سے قریب کی چیز ہے۔

(۵) یا یھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا و انتم مسلمون۔

اے مسلمانوں خدا سے پورا پورا تقوٰی کرو۔ یعنی دینی اور دنیاوی، روحانی اور مادی امور میں قانونِ الٰہی کی پوری پوری پابندی کرو۔ اور صرف مسلمان رہ کر یعنی اس کے احکام کی اطاعت کرتے ہوئے مرو۔

(۶) دعوٰی عدل و انصاف غلط ہے۔ اگر ظالم کی سزا میں سستی کی جائے۔ ظالم کے حق میں رحم۔ نوع انسان پر ظلم ہے۔ آج ڈکیتی، چوری۔ زنا۔ شراب خوری وغیرہ کا بازار گرم ہے۔ جو نوع انسان کو تباہ کیے ہوئے ہے کیونکہ اُن کی سزا قرار واقعی نہیں۔ جس شخص نے خود بھی جیل کاٹی ہو اس کے نزدیک ایک چور اور ڈاکو کے لیے قید کی سزا جرم کا عادی بنانا ہے۔ اسلامی قانون نوع انسان کے امن کو دُنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی تصوّر کرتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا جرائم کی سزا بھی انتہائی سخت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے ملک میں اگر ایک مرتبہ اسلامی تجویز کردہ سزاؤں پر عمل ہو جائے تو عرصہ تک کے لیے جرائم کا انسداد ہو جائے۔ چور کا داہنا ہاتھ کاٹ دو۔ ڈکیتی میں اگر قتل نہ ہو تو ایک ہاتھ ایک پاؤں کاٹ دو۔ خاص خاص صورتوں میں زنا کے ہر دو مرتکب کو سنگسار کر دو۔ ورنہ سَو سَو کوڑے لگاؤ۔ شراب خور کے اسّی کوڑے مارو۔ اور ان تمام میں اگر سفارش یا غلط قسم کے رحم سے کام لوگے تو دُنیا کے امن و امان کو تباہ کر ڈالوگے۔

(۷) آج کل گرام سدھار کا چرچا ہے۔ اُمّت اسلامیہ اور اُس کے نظام ملی کی غرض سمجھنے کے لیے ذیل کی آیات یاد رکھنی چاہییں۔

کنتم خیر اُمّۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر

تم ساری اُمّتوں میں (اس لیے) بہتر ہو کہ نوع انسانی کے فائدے کے لیے پیدا کیے گئے ہو (جس کی صورت یہ ہے کہ اچھی باتوں کا حکم کرو۔ بُری باتوں سے روکو۔ اللہ پر یقین رکھو

وتؤمنون باللّٰه (لفظ حکم خاص طور پر لحاظ ہے۔)

(ح) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دولت اور حکومت کے متعلّق ارشاد فرمایا" انّھا امانتہ وانھا حسرۃ وندامۃ یوم القیامۃ ۔ الامن اخذ ھابحقھا وادی الذی علیہ فیھا (کتاب الاموال لابی عبیدہ ص۸ (ترجمہ) حکومت ایک امانت ہے اور قیامت کے روز وہ حسرت اور ندامت ہوگی۔ صرف وہ شخص مستثنیٰ ہوگا جو حق کے بموجب لے اور جو حقوق اس پر واجب ہیں ان کو ادا کرتا رہے

(ط) سارے انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ حقوق انسانیت میں سب مساوی ہیں۔ شہری حقوق سب کے یکساں ہیں۔ رفاہ عام کی چیزوں سے ہر ایک برابر کا فائدہ حاصل کرسکتا ہے اور جتنا کوئی زیادہ غریب ہوگا اتنا ہی زیادہ مستحق ہوگا۔

عورت اور مرد نوع انسان کی دو قسمیں ہیں، مگر ایک دوسرے کے لیے لازم۔ ایک دوسرے کا پردہ پوش باعث سکون۔ عورت مرد کا جز۔ اُس کی شفقت کی مستحق۔

(ی) سود لینے کا حق کسی کو نہ ہوگا۔

(ک) ہر ایک قوم اپنے مذہبی اُمور میں آزاد ہوگی۔ اپنے کلچر کی خود محافظ ہوگی، مگر یہ کہ کوئی فعل خلاف انسانیت کریں۔ جیسے ماں بہن سے نکاح یا لڑکیوں کو مار ڈالنا یا کسی انسانی جان کو ناحق قتل کرنا بھینٹ چڑھانا۔

(ل) مسلمان کی حیثیّت محافظ کی ہوگی۔ دوسری قوموں کو ذِمّی کہا جاتا ہے۔ یعنی اُن کی جان و مال، اُن کے حقوق کی ذمّہ داری مسلم حکومت پر لازم ہے۔

(م) خطاب قوم سے من حیث القوم ہوگا۔ یعنی اس کے سرداروں سے گفتگو کر کے سرداروں کے ذریعہ سے معاملہ طے کیا جائے گا۔ مگر یہ کہ اس صورت سے عام افراد کو نقصان پہنچے اور ملوکیت کی شان کا شخصی تسلّط باقی رہے۔

(ن) قبائلی یا پنچائتی نظام نہیں توڑا جائے گا، مگر یہ کہ اس سے افراد کو نقصان پہنچے۔

(س) مسلمانوں کو وہ محصول ادا کرنے پڑیں گے جو شریعت نے مقرر کر دیے

لیکن غیر مسلموں سے اراضی کا محصول وہ لیا جائے گا جس پر عوام کی رائے حاصل کر لی جائے۔ اور جن کو وہ بسہولت برداشت کر سکیں۔

(ع) روحانی اصلاح سب سے بڑی چیز ہے مگر نہایت خوشگوار طور پر۔ لہٰذا حکم ہوا۔

(بر صٓ ۵۴)

(قسط ۱)

مقاصدِ شریعت

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دار العلوم دیوبند
تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَن یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ، وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ، وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ ، اَرْسَلَہُ اللّٰہُ اِلٰی کَآفَّۃِ النَّاسِ بَشِیْرًا وَ نَذِیْرًا ہ وَدَاعِیًا اِلَیْہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا ہ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ہ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ہ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

بزرگانِ محترم !

یہ قرآن شریف کی ایک آیت ہے جو میں نے اس وقت تلاوت کی ہے اس وقت مجھے اس آیت کی تفسیر کرنا یا اس کے مضامین پر گفتگو کرنا مقصود نہیں بلکہ اس آیت سے تین مقاصد

مستنبط کرنے ہیں جو دین کے مقاصد ہیں انہی کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے، یہ مقاصد الگ الگ بھی آیات میں بیان کیے گئے ہیں اور واضح طریق پر بیان کیے گئے ہیں، لیکن عربیت کا ایک قاعدہ ہے۔ "اَلْکِنَایَۃُ اَبْلَغُ مِنَ التَّصْرِیح" جو چیز کنایہ سے ادا ہوتی ہے اشارہ سے، وہ زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔ بہ نسبت صراحت کے، اس واسطے خیال ہوا کہ ان تینوں مقاصد کو اس آیت کی روشنی میں عرض کیا جائے، اور ساتھ ہی اس بناء پر کہ ان تینوں مقاصد کی طرف اس آیت میں اشارہ بھی ہو رہا ہے اور اس طرح ایک جگہ مجتمع ہو کر وہ تینوں مقاصد آجاتے ہیں تو بجائے تین آیتیں الگ الگ پڑھنے کے اسی ایک آیت کی تلاوت کو کافی سمجھا گیا کہ وہ تینوں مقصد اس آیت میں آجائیں گے۔ وہ تین مقصد کیا ہیں شریعت کے؟

شریعت تین تعلقات کو دُرست کرنے کے لیے آئی ہے

تو اصل یہ ہے کہ شریعتِ اسلام تین تعلقات کو دُرست کرنے کے لیے آئی ہے۔ وہ تین تعلقات اگر دُرست ہو جائیں تو وہی آدمی کامل سمجھا جائے گا شریعت کی اتباع میں، ایک تعلق میں بھی اگر کمی رہ گئی تو اتنا ہی اس کے دین میں اور اس کے اسلام میں کمی رہ جائے گی، تو وہ تین تعلقات ہیں جن کی تکمیل کے لیے جن کی اصلاح کے لیے شریعتِ اسلام دُنیا میں بھیجی گئی ایک تعلق مع اللہ کہ بندہ کا اپنے خدا سے کیا تعلق ہے؟ اس کی کیا نوعیت ہے؟ دوسرا تعلق مع الخلق کہ بندوں کا اپنے بھائیوں سے اور مخلوقات سے کیا تعلق ہے؟ اور تیسرا تعلق مع النفس کہ خود اپنے نفس سے اس کا کیا تعلق ہے؟ یہ تین تعلقات ہیں جن کو صحیح کرنا مقصود ہے اور اسی پر شریعت کے تمام احکام پھیلے ہوئے ہیں بندہ خدا سے کس طرح سے رابطہ پیدا کرے، بندے بندوں سے کس طرح معاملہ کریں؟ اور بندے کو اپنے نفس سے کیا معاملہ کرنا چاہیے؟ اگر یہ تین معاملے دُرست ہو گئے تو وہی کامل انسان سمجھا جاتا ہے۔ ان میں اگر خلل رہ گیا تو اُتنا ہی خلل اس کے دین و دیانت میں رہ جائے گا اور کہا جائے گا کہ مسلمان ہے مگر ناقص مسلمان، یہ تینوں تعلقات اس کے صحیح ہونے چاہییں۔

تعلّق مع اللہ کی بُنیاد عبدیت پر ہے

تعلق مع اللہ کی بنیاد ہے عبدیت پر کہ بندہ اپنی عبدیت کو پہچان لے اور اللہ کی معبودیت کو پہچان لے، یہ نسبت دُرست ہو جائے

کہ وہ معبود ہے میں عابد اور عبدیت کی شان اس میں آجائے اس وقت کہا جائے گا کہ اللہ سے تعلق صحیح ہوگیا۔

عبدیت کا مطلب عبدیت ہو یعنی جتنی بھی بڑائی اور عظمت ہے وہ مخصوص سمجھے اللہ کے لیے وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ساری بڑائیاں آسمانوں میں اور زمینوں میں اللہ ہی کے لیے ہیں وہی ہے عزیز وحکیم، عزّت والا بھی وہی ہے حکمت والا بھی وہی ہے تو عزّت کا کوئی شائبہ اپنے اندر نہ ہونا چاہیے بمقابلۂ حق، بلکہ عزّت کے مقابلے میں پوری ذلّت ہونی چاہیے اپنے نفس کی اور کمال عزّت ہونی چاہیے حق تعالیٰ کی ذہن میں تب وہ نسبت عبدیت درست ہوگی، اگر کبر ذرا سا بھی باقی رہ گیا تو نسبتِ عبدیت میں فرق آگیا۔ اسی واسطے حدیث میں ارشاد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ"[1] جنّت میں وہ داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبّر باقی رہ گیا ہے اس لیے کہ اس نے حق تعالیٰ کی کبریائی کو نہیں سمجھا اور جب اس کی کبریائی اور عظمت کو نہ جانا تو اپنی ذلّت کو نہ سمجھا اور اپنے اندر کبر سمجھا، تو کبریا اور عظمت یہ مخصوص ہے ذات بابرکات کے ساتھ، دُنیا میں بندہ بندگی کرنے کے لیے آیا ہے خُدائی کرنے کے لیے نہیں آیا، تو اس کی چال میں ڈھال میں قال میں حال میں ہر چیز میں عبدیت ہونی چاہیے۔ جیسا کہ فرمایا گیا " وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ" چال میں اپنی میانہ روی اور نرمی پیدا کرو۔ اکڑ کر چلو گے تو چال میں کبر آجائیگا جو بندگی کی شان کے خلاف ہے۔ یعنی ایسی چال سے چلو کہ جس میں تواضع بھی ہو کبر نہ ہو اور ضعف بھی نہ ہو ساتھ میں یعنی نہ تو بیماروں کی چال چلو کہ آدمی بالکل جُھک کے چلے جیسے معلوم ہو کہ مریض ہے یہ بھی چال پسند نہیں کی گئی حدیث میں فرمایا گیا "اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَاَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الضَّعِيْفِ"[2] قوی مسلمان بہتر ہے ضعیف مسلمان سے تو قوت ہونی چاہیے چال میں ضعف نہ ہونا چاہیے، تو نہ تو اسطرح سے چلے کہ جیسے کوئی بیمار اور مریل قسم کا آدمی آرہا ہو اور نہ اکڑ کر چلے کہ جس سے معلوم ہو کہ کوئی متکبّر آرہا ہے، تو چال کے اندر فرمایا کہ قصد اور اقتصاد اور میانہ روی اختیار کرو کہ چال میں کبر بھی نہ ہو، چال میں ضعف بھی نہ ہو۔

---

[1] مشکوٰۃ ص ۴۳۳ [2] مشکوٰۃ ص ۴۵۲

ذکرِ محمودؔ[1] از محمد شد حسن
حامدِ حق محسنِ اہلِ زمن

ذکرِ محمود

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

بعد حمد و صلوۃ مجھ سے میرے بعض اعزہ[ع] نے فرمائش کی کہ کچھ مختصر تذکرہ امام العلماء مقدامُ العرفاء اُستاذی حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کا لکھ دوں مَیں نے کافی واقعات وحالات پر محیط نہ ہونے کا عذر کیا عزیز موصوف نے کہا جیسا یادِ یاراں میں حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کے بعض متفرق و مختصر واقعات بہت ہی قلیل مقدار میں لکھ دیے ہیں اسی انداز پر لکھ دیا جائے پھر ہم لوگ اُس کے ساتھ خود منضم کرلیں گے چونکہ اس مقدار اور اس طرز میں لکھنے سے کوئی عذر نہ تھا اور مقبولین کے تذکرہ کا موجبِ برکت و سعادت ہونا معلوم و مُسَلَّم ہے اس لیے بنامِ خدا یہ چند سطریں لکھتا ہوں اور اس کا لقب ذکرِ محمود تجویز کرتا ہوں جس کی دونوں ترکیبیں ہوسکتی ہیں خواہ موصوف و صفت کہیے خواہ مضاف و مضاف الیہ اور اوّل اَولیٰ ہے مع اشارہ کے ثانی کی طرف وَاللہُ الھادِی اِلَی الصَّواب وَ ھُوَ المیسر لکل صِعَاب اور اس کے اجزاء کو مع قیدِ عدد بعنوان ذکر تعبیر کروں گا۔

---

[1] یعنی ذکر (مولٰنا) محمود (حسن) کا سید العالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے (کہ مولانا کو مثل جمیع مقبولین کے حضور سے حاصل ہے) حسن ہوگیا اور مصرعۂ ثانیہ میں حامد اور محسن مع اپنے قیود کی صفتیں ہیں محمود واقع مصرعہ اولی کی اور معنی ظاہر ہیں اور دونوں مصرعے مولانا کے نام کی تصریح اور آپ کے تینوں بھائیوں کے ناموں کی طرف اشارہ پر مشتمل ہیں ۱۲ منہ

[ع] المراد بہ ابن اختی المولوی ظفر احمد جعلہ اللہ کما یحب و یرضٰی ۱۲ منہ

ذکر (۱) سب سے پہلے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت و صحبت سے مشرف ہوا وہ زمانہ تھا جس میں تحصیلِ درسیات کے لیے دیوبند کے مدرسہ عالیہ میں حاضر ہُوا اور منجملہ اسباق مجوزہ کے ملا حسن اور مختصر معانی کا سبق مولانا کے متعلق ہُوا یہ زمانہ ۱۲۹۵ھ کا اخیر تھا یعنی ذیقعدہ کا مہینہ تھا مولانا اُس وقت مدرسِ رابع تھے اور مدرسِ اوّل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور مدرسِ دوم حضرت مولانا سیّد احمد صاحب اور مدرسِ سوم حضرت مولانا محمدؒ محمود صاحب تھے رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً

ذکر (۲) مولانا اس وقت بالکل جوان تھے اور لباس بہت نفیس پہنتے تھے اور بندوق سے شکار کا مشغلہ بھی بکثرت فرماتے تھے۔ حضرت مولانا قاسم العلوم قدس سرہ بھی دیوبند تشریف فرما تھے مدرسہ آپ کی سرپرستی میں تھا۔ درس سے فارغ ہوکر زیادہ وقت حضرت قدس سرہ کی خدمت میں صرف فرماتے تھے۔

ذکر (۳) مولانا کی ذہانت و فطانت تو خداداد فطری تھی ہی اُس پہ شباب کے رنگ نے سونے پر سہاگہ کا کام دے رکھا تھا۔ اس قدر تیزی تھی کہ سبق شروع ہونے کے وقت جس جگہ نشست ہوتی تھی ختم ہونے تک اُس جگہ سے بہت آگے بڑھ آتے تھے، مگر تقریر میں باوجود تیزی وروانی کے سلاست اور ارتباط اور ترتیب اس درجہ تھی کہ مفہوم کتاب کا آئینہ ہو جاتا تھا۔

ذکر (۴) عادتِ شریفہ تقریرِ کتاب میں یہ تھی کہ اکثر نفسِ مطلب پر اکتفا فرماتے تھے جس کا نتیجہ کتاب کا جلدی نکلنا۔ کتاب سے طالب علم کو کامل مناسبت اور اُس سے کامل استعداد ہو جاتا تھا۔ حسنِ وجازت و وضاحتِ تقریر میں مولانا کا ثانی غالباً اب تک بھی ذہن میں نہیں ہے۔ وَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

ذکر (۵) مُتَعَسِّفَانَہ سوال کے مقابلہ میں الزامی مُسکِت جواب تو ایسا ہوتا تھا کہ طالب علم مُنہ تک کے نقش دیوار کی طرح رہ جاتا تھا اور اکثر ایسے جواب میں ایک لطیف مگر چبھتا ہُوا مزاح بھی شامل ہوتا تھا جو انتہا کی تہذیب کے ساتھ نفس کا پُورا معالجہ ہوتا تھا۔

ذکر (۶) مذکورہ اسباق کے سلسلہ میں احقر کے اسباق فراغِ درسیات تک مولانا کی خدمت میں رہے معقولات میں حمد اللہ۔ میر زاہد رسالہ۔ میر زاہد ملا جلال اور حدیث میں متعدّد کتب جن کی تفصیل رسالہ

سبعِ سیارہ میں ہے اور فقہ میں ہدایہ اخیرین تو اس وقت مولانا سے پڑھنا یاد ہے باقی شاید سوچنے سے یاد آجائے۔

ذکر (۷) معمول یہ تھا کہ جب طالب علم عبارت پڑھ چکتا تو لمبی لمبی عبارت کا نہایت مختصر اور جامع خلاصہ ایسا بیان فرما دیتے کہ پھر طالب علم کو اُس کی تفصیل کو سمجھ لینا آسان سے زیادہ آسان ہوجاتا گویا اس تفصیل کا اُس اجمال پہ منطبق کرنا ہی رہ جاتا ہے اور مطلب سمجھنے میں ذرہ برابر گنجلک نہ رہتی یہ بھی منجملہ کمالاتِ خاصہ تھا۔

ذکر (۸) معمول مذکور کی یہ برکت تھی کہ کتابیں اس طرح جلد جلد ختم ہوتی تھیں جیسے کوئی مشین میں ڈھالنا ہو حتّٰی کہ ہدایہ اخیرین کا ایک معتدبہ حصّہ بلا ترجمہ ہی نہایت سہولت سے پڑھنا یاد ہے۔

ذکر (۹) حدیث میں گاہ گاہ تلامذہ کی درخواست پہ خود بھی عبارت پڑھتے جس کی روانی اور مفہم لہجہ کا لُطف مشاہدہ ہی سے معلوم ہو سکتا ہے اور خُوبی یہ ہے کہ درمیان درمیان ایسے وقفاتِ لطیفہ بھی ہوتے تھے کہ جس کا دل چاہے اپنے شُبہات وسوالات اطمینان سے حل کرسکے۔ اس حالت کے جوابات میں ایک خاص اختصار اور اسکات کی شان ہوتی تھی۔

ذکر (۱۰) احقر کو زمانۂ طالب علمی میں ہر فرقہ کے ساتھ مناظرہ کرنے سے ایک خاص دلچسپی تھی جیسی اب اس سے اسی درجہ نفرت و وحشت بھی ہے۔ دیوبند میں ایک بار عیسائی منادیوں کا ایسا سلسلہ لگا کہ مسلسل یکے بعد دیگرے آتے اور بازار میں تقریریں کرتے۔ احقر سُنتے ہی پہنچتا اور گفتگو کرتا ایک بار ایک بڑا پادری جو یورپین تھا۔ زیادہ مجمع وسامان کے ساتھ آیا اور ایک باغ متصل اسٹیشن میں خیمے نصب کرکے ٹھہرا احقر مع چند طلبہ کے وہاں بھی پہنچا اور اُس سے گفتگو شروع کی کسی نے حضرت مولانا کو خبر پہنچادی۔ اس شفقت کی کچھ حد ہے کہ صرف یہ خیال کرکے کہ کم عمر اور ناتجربہ کار ہے کبھی مرعوب نہ ہوجائے خود اُس باغ میں تشریف لائے اور مجھ کو ہٹا کر خود گفتگو شروع فرمائی اُس نے نام پُوچھا آپ نے فرمایا ننّھا وہ معمولی آدمی سمجھ کر گفتگو کے لیے تیار ہوگیا مجھ کو خوب یاد ہے کہ اُس گفتگو میں یہ بھی تھا کہ اُس نے کہا عیسٰی علیہ السّلام کلمۃ اللہ ہیں مولانا نے اُس کی تفسیر پُوچھی تو وہ نہ بتلا سکا اُس میں مزاحًا یہ سوال بھی فرمایا کہ کلمے کے یہ اقسام ہیں پھر اُن اقسام کے یہ اقسام ہیں۔ عیسٰی علیہ السّلام ان میں سے کلمہ کی کون قسم تھے تو وہ مُنہ دیکھ رہا تھا اور جواب میں پریشان تھا۔ آخر اُس کی میم نے یہ حالت معلوم کرکے ایک رقعہ بھیج کر اُس کو بُلالیا اور اُس نے جان چھڑا کر چلے جانے کو غنیمت سمجھا ہم سب لوگ خوش

بخوش مدرسہ واپس آئے۔

ذکر (۱۱) اُسی زمانہ میں مولانا کو شغل تصنیف سے بھی دلچسپی تھی، چنانچہ ادلہ کاملہ کا جواب جو غیر مقلدین کی طرف سے موسوم بمصباح الادلہ لکھا گیا تھا۔ حضرت مولانا نے اُس کا جواب لکھا جو مطبوع بھی ہوگیا ہے جس کا نام ایضاح الادلہ ہے پھر مختلف زمانوں میں دوسرے دوسرے رسائل بھی لکھے جن میں دو اس وقت یاد ہیں ایک احسن القریٰ دوسرا جہد المقل جن کی حسن و خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور سب سے انفع اور ارفع تصانیف میں قرآن مجید کا ترجمہ ہے جو اخیر عمر میں لکھا گیا ہے اُس میں جن فوائد و لطائف کا التزام و اہتمام فرمایا گیا ہے اُن کی تحقیق و تفصیل اُس کے مقدمے میں تحریر فرمائی گئی جو میرے نزدیک بجائے خود وہ ایک مستقل رسالہ ہے۔ ایسا کہ اگر کوئی خاص صاحبِ علم مجموعہ ترجمہ کو بھی نہ دیکھے تو خود اُس مقدمہ کو تو دیکھ لینا ضروری ہی ہے۔ ذکر (تواضع) تواضع و خلوص کی صفت حق تعالیٰ نے ایک خاص ممتاز شان سے عطا فرمائی تھی جس کے بعضے آثار یہ تھے جو یہاں سے نمبر ۲۲ تک مذکور ہیں۔

(۱۲) تلامذہ کے ساتھ اس طرح اختلاط و ارتباط و انبساط رکھنا کہ دیکھنے والا کبھی نہ سمجھ سکے کہ یہ اس مجمع کے مخدوم ہیں۔

(۱۳) بعضے خدام کے ساتھ جن میں کوئی خاص خصوصیت ہوتی مثلاً مولانا کے کسی اُستاد یا بزرگ کی اولاد میں سے ہونا یا عوام مسلمین کے نزدیک معظم ہونا ونحو ذلک اُن کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے اجنبی شخص کو شُبہ ہو سکے۔ خادم پر مخدوم ہونے کا جب خدام کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو مساوی یا بڑوں کے ساتھ معاملہ کا اسی سے موازنہ کر لیا جائے۔

(۱۴) ایک بار اس احقر کے پاس ایک سرفراز نامہ آیا جس میں القاب میں مخدوم و مکرم کے الفاظ تھے میں بے حد شرمندہ ہُوا اور مَیں نے عریضہ میں اپنی اس خجلت کو ظاہر کر کے درخواست کی کہ ایسے الفاظ تحریر نہ فرمائے جایا کریں اس کے بعد جو والا نامہ آیا پھر اس میں وہی الفاظ آخر مَیں نے عرض کیا کہ میری درخواست منظور نہ ہونے سے معلوم ہُوا کہ حضرت کو اسی میں راحت ہے گو مجھ کو کلفت ہے مگر میں حضرت کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں اب جو مرضی ہو اختیار فرمایا جائے میں گوارہ کروں گا۔

(۱۵) کسی سے کسی خدمت کی فرمائش کرنے کی عادت نہ تھی بلکہ اکثر مہمانوں کے لیے کھانا مکان سے اپنے ہاتھ میں لاتے اور خود کھلاتے

(۱۶) ایک بار احقر کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کانپور کے جلسۂ دستار بندی میں رونق افروز ہوتے اور احقر کے بے حد اصرار پر وعظ فرمانے کا وعدہ فرمایا جامع مسجد میں وعظ شروع ہُوا جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی رح بھی کانپور تشریف لائے ہُوئے تھے۔ میرے عرض کرنے پر جلسہ میں تشریف لائے اور عین اثنائے وعظ میں تشریف

لائے اُس وقت ایک بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کی نسبت معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہہ آج جاتا رہے گا اور سب دیکھ لیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں۔ مولانا کی جوں ہی مولانا علی گڑھی پر نظر پڑی فوراً وعظ بیچ ہی میں سے قطع کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی بوجہ ہم درس ہونے کے بے تکلف تھے اُنھوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ یہ کیا کیا میں تو وقت تھا بیان کا فرمایا ہاں یہی خیال مجھ کو آیا تھا۔ اس لیے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہار علم کے لیے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے سبحان اللہ یہ ہیں حقیقی کمالات

(۱۷) ثقات سے سُنا ہے کہ ایک مرتبہ مراد آباد میں وعظ کی درخواست کی گئی بہت کچھ عذر کے بعد منظور فرمایا اور بیان شروع ہوا حدیث یہ تھی "فَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ" اَشَدُّ کے ترجمہ کا حاصل بھاری لفظ سے فرمایا مجلس میں ایک پرانے عالم تھے جو محدّث کے لقب سے معروف تھے اُنھوں نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ اشد کا ترجمہ غلط کیا گیا ایسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں تو مولانا بے ساختہ کیا فرماتے ہیں کہ حضرت مجھ کو تو پہلے سے معلوم ہے کہ مجھ جیسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں اور میں نے ان صاحبوں سے اسی واسطے عذر بھی کیا تھا مگر اُنھوں نے مانا نہیں اب بہت اچھا ہوا حضرت کے ارشاد سے بھی میرے عذر کی تائید ہو گئی اور بیان سے بچ گیا۔ حاضرین کو تو جس قدر ناگواری ہوئی اُس کا کچھ پوچھنا نہیں دانت پیستے تھے کہ یہ کیا لغو حرکت تھی گو مولانا کے ادب سے کچھ بول نہ سکتے تھے مگر مولانا نے بجائے ناگوار سمجھنے کے یہ کمال کیا کہ نہایت سکون کے ساتھ اُن کے پاس جا کر اُن کے سامنے ادب سے بیٹھ کر نہایت نیازمندی کے لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ حضرت غلطی کی وجہ معلوم ہو جائے تو آیندہ احتیاط رکھوں۔ اُنھوں نے کڑک کر فرمایا کہ اشد کا ترجمہ آپ نے اثقل سے کیا یہ کہیں منقول نہیں اضر سے کرنا چاہیے۔ مولانا نے فرمایا اگر کہیں منقول ہو تو اُنھوں نے کہا کہاں ہے؟ مولانا نے فرمایا حدیث وحی میں ہے کسی نے پوچھا کَیْفَ یَاْتِیْکَ الْوَحْیُ جواب میں ارشاد ہوا یَاْتِیْنِیْ اَحْیَانًا مِثْلَ سِلْسِلَۃِ الْجَرْسِ وَھُوَ اَشَدُّہٗ عَلَیَّ اور ظاہر ہے کہ یہاں اضر کے معنے ممکن نہیں اثقل ہی کے معنے صحیح ہو سکتے ہیں بس یہ سُن کر اُن کا تو رنگ فق ہو گیا مگر مولانا نے نہ کچھ اس پر فخر کیا نہ دوبارہ بیان شروع فرمایا لیکن ان کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ اپنی غلطی کا اعلان فرما دیں۔ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ولنعم ماقیل ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجا ست نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

(۱۸) یہ بھی بعض ثقات سے سُنا ہے کہ حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ بارہا حاضری گنگوہ کے وقت خیال ہُوا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے حدیث کی اجازت کی درخواست کروں مگر معًا ہی یہ خیال مانع آگیا کہ اگر حضرت پُوچھ بیٹھیں کہ تجھ کو آتا ہی کیا ہے جو حدیث کی سند مانگتا ہے تو کیا جواب دوں گا بس یہ سوچ کر چُپ رہ گیا اللہ اکبر کچھ حد ہے تواضع کی۔

(۱۹) جیسے شباب میں لطافتِ مزاج کے سبب نفیس پوشش مرغوب تھی۔ اب غلبۂ تواضع کے سبب اس قدر سادہ لباس اور جوتہ اور ساری ہی وضع اختیار فرمائی تھی جیسے مساکین کی وضع ہوتی ہے۔ وضع سے کوئی شخص یہ بھی گمان نہ کر سکتا تھا کہ آپ کو کسی قسم کا بھی امتیاز مالی جاہی علمی حاصل ہے حالانکہ ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

(۲۰) مَیں نے کبھی نہ دیکھا نہ سُنا کہ آپ نے کبھی امامت فرمائی ہو۔

(۲۱) میرے سامنے کا قصّہ ہے کہ مدرسہ عالیہ دیوبند میں اہلِ علم کا ایک خاص جلسہ تھا جس میں اس پر کلام ہو رہا تھا کہ آج کل طلبہ اکثر بد استعداد کیوں ہوتے ہیں اور سب متفقًا اس کا سبب طلبہ کی کوتاہیوں کو بتلا رہے تھے مثلاً مطالعہ نہ دیکھنا۔ سمجھ کر نہ پڑھنا۔ اپنی رائے سے سبق شروع کر دینا۔ سبق چھوڑ دینا۔ ومثل ذلک۔ ایک صاحب جو کسی مدرسہ میں مدرس تھے اور حضرت مولانا کے شاگرد بھی تھے اور طبعًا ذرا دلیر تھے بے ساختہ بول اُٹھے کہ کیوں حضرات سب طلبہ ہی پر الزام ہے مدرسین کی کوئی خطا نہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا ہاں بھائی وہ تم بتلاؤ وہ بولے کیا یہ مدرسین کی غلطی نہیں ہے کہ کسی طالب علم نے کوئی بات پوچھی بجائے اس کے کہ شفقت سے اُس کا شُبہہ رفع کریں جھاڑ کی طرح اُس کے پیچھے لگ گئے اور الزامی جوابوں سے اُس کے سر ہو گئے۔ وہ بیچارہ خوفزدہ ہو کر چُپ رہ گیا اور وہ شُبہہ جوں کا توں رہ گیا تو اُس فن میں کیا استعداد ہو۔ تو مولانا کیا فرماتے ہیں ہاں بھائی ہاں سچ کہتے ہو یہ عیب تو میرے اندر بھی ہے وہ بیچارے بیحد شرمندہ ہُوئے کہ حضرت واللہ جو میرا یہ مقصود ہو نعوذ باللہ حضرت کو تھوڑا ہی کہتا ہوں ہنس کر فرمانے لگے تم نہ کہو مجھ کو تو معلوم ہے میں تو کہتا ہُوں۔

(۲۲) بعضے درشت و نادرست مزاج طلبہ درس میں بہت ہی بے ادبی کے الفاظ کہہ ڈالتے تھے مگر حضرت مولانا کو کبھی اس پر تغیّر نہیں ہُوا۔ اس وقت کوئی خاص قصّہ ذہن میں حاضر نہیں۔

ذکر (۲۳) یہ میری کوتاہی ہے یا کم ہمتی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مکاتبہ کا بہت ہی کم اتفاق ہوا اور جو بعض اوقات اس کی نوبت بھی آئی اور اُس کا جواب بھی بالالتزام عطا ہوا تو ان کی حفاظت کا کچھ التزام نہیں ہوا اس وقت کل تین والانامے محفوظ یاد آتے ہیں ایک تو تفسیر کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ہے جو تتمہ جلد رابع فتاویٰ امدادیہ ص ۳۲۶ میں مطبوع ہوگیا ہے وہاں ملاحظہ فرمالیا جاوے اور دو معمولی مضمون کے ہیں اُن کو ذیل میں برکت کے لیے نقل کرتا ہوں حضرت کے مذاق تواضع و شفقت پر دلالت کے لیے یہ بھی دو شاہد عدل سے کم نہیں ہیں۔

سراپا فضل وکمال شَرَّفَكُمُ اللهُ تَعَالٰی وَجَعَلَكُمْ فَوْقَ كَثِيْرٍ مِّنَ النَّاسِ۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ بارہا آپ کی خیریت معلوم ہونے کا داعیہ پیدا ہوا اور ایک دو دفعہ بعض آیندگان کی زبانی آپ کی خیریت معلوم بھی ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو مع جملہ متعلقین خیریت سے رکھے اس وقت ایک صاحب بنگالی مسمی عبدالمجید سے ملاقات ہوئی جو ہندوستان واپس ہو رہے ہیں اور جناب کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں۔ یہ موقع غنیمت معلوم ہوا اس لیے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں بندہ مع رفقاء بحمد اللہ اس وقت تک بالکل خیریت اور اطمینان سے ہے شروع رجب میں مکّہ معظمہ حاضر ہوگیا تھا۔ اس وقت تک یہیں حاضر ہوں مجھ کو اُمید ہے کہ فلاح وحسنِ خاتمہ کی دُعا سے اِس دُور اُفتادہ کو فراموش نہ فرماویں گے۔ آئندہ قیام کی نسبت ابھی کچھ عرض نہیں کرسکتا۔ مولوی شبیر علی صاحب مولوی محمد ظفر صاحب مولوی عبداللہ صاحب وغیرہ حضرات سے سلام مسنون فرما دیجیے۔ مولانا مولوی محمد یحییٰ صاحب مولانا قمرالدین صاحب کی وفات سے افسوس برافسوس ہے۔ انا للہ۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔ والسّلام علیکم وَعَلٰی مَنْ لَدَیکم فقط بندہ محمود عفی عنہ۔ منشی رفیق احمد صاحب کی خدمت میں سلام۔ خدا کرے اُن کا رسالہ روبترقی ہو۔ مکّہ معظّمہ ۱۲ر محرم چہار شنبہ۔

معدنِ حَسَنَاتٌ وَخَيْرَاتٌ دَامَ ظِلُّكُمْ۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ نامہ سامی موجب مسرت و امتنان ہوا جو ہوا مکرمین و مخلصین کی ادعیۂ مقبولہ کا ثمرہ ہے اَدَامَ اللہُ فیوضہم برکاتہم احقر اور رفقاء و متعلقین بحمد اللہ خیریت سے ہیں سب کا سلام مسنون قبول ہو۔ والسّلام علیکم وعلیٰ من لدیکم فقط۔

بندہ محمود عفی عنہ ازدیوبند دویم شوال روز یک شنبہ

(۲۴) حضرت کے انصاف اور حق پرستی اور رعایتِ دین کا نمونہ ایک قصّہ سے واضح ہوتا ہے ایک قصبہ میں ایک رئیس اور عالم کے یہاں جو اپنے ہی مجمع کے ہیں ایک تقریب تھی احقر بھی اُس میں مدعو تھا اور حضرت

ے ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے، احقر مدیر

مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اور دیگر حضرات بھی، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ رسومِ بدعت میں سے کوئی رسم وہاں نہیں اور کیونکر ہوتی جبکہ صاحبِ تقریب خود بدعت سے مانع تھے مگر عام برادری کی دعوت تھی جس کو میں بنا بر تجربہ رسوم تفاخر میں سے سمجھتا ہوں اور جن اکابر پر حسنِ ظن غالب ہے وہ اس میں توسّع فرماتے ہیں چنانچہ اسی تفاوت کا یہ اثر ہوا کہ میں تو بلا شرکت واپس آگیا اور دیگر حضرات نے شرکت فرمائی۔ خود اپنے ہی مجمع میں اس کا مختلف عنوانوں سے بڑا غوغا ہوا اور مجھ سے توجب اس اختلاف کے متعلق کسی نے سوال کیا میں نے تو بزرگوں کی ادب کی رعایت ہی مدنظر رکھ کر جواب دیا مگر عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جو بعض نے سوال کیا تو باوجودیکہ حضرت کے ذمہ اس احقر کی رعایت کی کون ضرورت تھی، لیکن جو جواب عطا فرمایا اس میں جس درجہ رعایت ہے وہ قابلِ غور ہے۔ وہ جواب یہ تھا کہ "واقعی بات یہ ہے کہ عوام کے مفاسد کی جس قدر فلاں شخص (یعنی احقر) کو اطلاع ہے ہم کو اطلاع نہیں اس لیے اس نے احتیاط کی" حقیقت یہ ہے کہ ع بریں نکتہ گر جاں فشانم رواست۔ یہ جواب مجھ سے بعض ثقات نے نقل کیا۔

ذکر (۲۵) اسی قصہ مذکورہ متصلاً کی نظیر اسی انصاف اور حق پرستی اور رعایت کا نمونہ یہ قصہ بھی ہے (اور اس وقت اسی پر اس ذکرِ محمود کو ختم بھی کر دوں گا) کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا سے تشریف لائے تو بعض خاص اسباب سے بعض خاص معاملات میں بعض خاص خیالات ظاہر فرمائے اور اعلاماً و عملاً ان میں حصہ لیا جس کا مبنیٰ محض خلوص کے ساتھ اسلام و اہلِ اسلام کی خدمت تھی چونکہ وہ مسائل اجتہادی تھے جن میں شرعاً گنجائش اختلاف کی ہوتی ہے اور اُن میں بعضے پہلو دنیوی و دینی خطرات بھی رکھتے تھے جو شرعاً واجب التحرز تھے۔ بعض اہلِ علم نے اُن خطرات و مضرات پر نظر کر کے اُن تحریکات میں رأیاً و عملاً شرکت نہیں کی اور احقر کا خیال بھی ان ہی علیحدگی رکھنے والوں کے موافق تھا اور اس علیحدگی کو اکثر اہلِ محبت مفرط نعوذ باللہ حضرت کی مخالفت سمجھتے تھے مگر خود حضرت کی یہ کیفیت تھی کہ جب میں زیارت کے لیے دیوبند حاضر ہوا تو میرے ساتھ میرے ایک دوست بھی تھے جو ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ وہ مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اشرف اس وقت آیا ہوا ہے اگر ان اُمور میں گفتگو فرمالیجیے تو شاید رائے متفق ہو جائے۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں مناسب نہیں جو شخص اپنا لحاظ کرتا ہو اُس سے ایسی گفتگو کرنا مناسب نہیں۔ نیز گفتگو سے رائے نہیں بدلا کرتی واقعات سے بدلا کرتی ہے۔ اللہ اکبر اس انصاف و رعایت کی کچھ حد ہے۔ نیز ایک صاحب اسی مضمون کے متعلق کہتے تھے کہ وہ دیوبند حاضر تھے بعض لوگ اس احقر کی شکایتیں ان معاملات میں کر رہے تھے۔ حضرت نے سُن لیا فرمایا کہ افسوس تم ایسے شخص کی شکایتیں کرتے ہو جس کو میں ایسا ایسا

سمجھتا ہوں۔ (یہاں بعض الفاظ میری شان سے بہت ارفع ہیں اس لیے میں نے اُن کو نہیں لکھا کہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک) اور یہ بھی فرمایا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں کیا مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ میری ایک رائے ہے سو اُس کی (یعنی احقر کی) بھی ایک رائے ہے۔ اس میں اعتراض و شکایت کی کیا بات ہے۔

نیز بعضے لوگوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اِن ہی تحریکات کی تقویت کے لیے تھانہ بھون لانا چاہا، اور درخواست کی تو ایک شخص کہتے تھے کہ حضرت نے یہ جواب دیا کہ وہاں فلاں شخص (یعنی احقر) موجود ہے میرے جانے سے اُس کو تنگی ہوگی کیونکہ موافقت تو اُس کی رائے کے خلاف ہوگی اور عدم موافقت سے شرمائے گا اس لیے[۵] وہاں نہیں جاتا۔ سبحان اللہ اللہ اکبر میں تو اکثر اوقات اپنے بزرگوں کے ایسے کمالات پیش کر کے دوسری جماعتوں کو خطاب کر کے کہا کرتا ہوں۔ ؎

أُولٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ

خاتمہ

اب اس کو ختم کرتا ہوں اور حسرت کے ساتھ تاریخ وفات سے اطلاع دیتا ہوں کہ بتاریخ اٹھارہ ۱۸ ربیع الاوّل ۳۹ھ یوم سہ شنبہ رہگذائے عالمِ بقا ہوئے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اس احقر نے محض سہولت یادداشت کیلئے ایک مادّہ تاریخ کا سوچا ہے گو فصیح نہیں ہے اور اس پر مصرعے بھی لگا دیے گو شاعر نہیں ہوں وھوھذا

قطعہ

آہ حضرت شیخ محمود الحسن راہیٔ جنت شد از دار المحن
گفت ہاتف چوں بجستم سالِ او واصل درگاہ جاناں ذوالمنن

۱۳ ھ ۳۹

اور حضرت رحمہ اللہ علیہ کے حاضر باش خواص سے اُمید رکھتا ہوں کہ اگر وقت ملے تو حضرت کے کمالاتِ علمیہ و عملیہ کا مبسوط تذکرہ تحریر فرمادیں خصوص مولانا حبیب الرحمٰن صاحب و مولانا شبیر احمد صاحب و مولانا حسین احمد صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ کی توجہ سے اس مقصود کی تکمیل میں بہت کچھ آسانی کی توقع ہوتی ہے واللہ الفاتح لکل ابواب الخیرات وھو الموفق لاتمام الصالحات۔

کتبہ اَرْدَءُ تلامذہ صاحب التذکرہ۔ الاحقر اشرف علی رزقہ اللہ تعالیٰ التقوٰی والمغفرۃ۔ ثالث عشر من جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ

---

[۵] اسی طرح ایک موقع پر یہ ارشاد فرمایا کہ تم کیوں بار بار اُس پر اعتراض کرتے ہو وہ بھی دین کا ایک کام کر رہا ہے ۱۲ منہ

کعبۃ اللہ کا بابِ مبارک کھولنے کی سعادت

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلّہم کو کلید بیت اللہ پیش کی گئی

اہلِ حق کے لیے یہ بات نہایت خوشی و مسرت کی ہے کہ امسال بیت اللہ شریف کے اندر کے حصّہ کی نئی تعمیر کے بعد اس کے افتتاح کے لیے جس ہستی کا انتخاب کیا گیا وہ ہیں عالمِ اسلام کی مشہور شخصیت، مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری و حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہما اللہ اس افتتاح کی روداد ہندوستان کے پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ میں بحوالہ روزنامہ قومی آواز انڈیا شائع ہوئی ہے، تعمیرِ حیات کے شکریہ کے ساتھ ماہنامہ انوارِ مدینہ میں شائع کی جارہی ہے

"ہندوستان کے مسلمانوں کا سر اس وقت فخر سے اونچا ہوگیا جب ۶ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۹۶ء کو عالمِ اسلام کی ممتاز شخصیت حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کو خانہ کعبہ میں داخل ہونے کے لیے بیت اللہ کے دروازے کی کلید (کنجی) پیش کی گئی جو اس شیبی خاندان کے پاس رہتی ہے جس سے خود حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب کعبہ شریف میں داخل ہونا ہوتا تھا تو کلیدِ کعبہ مانگ کر دروازہ کھولتے تھے اور باہر آنے کے بعد دروازہ مقفل کرکے کلید اسی خاندان کو واپس کر دیا کرتے تھے۔

یہاں مکّہ مکرّمہ سے بذریعہ ٹیلی فون موصولہ ایک خبر کے بموجب ——— مکّہ مکرّمہ میں رابطہ عالمِ اسلامی کے تحت مساجد سے متعلق عالمی کونسل کے ہر دو سال پر منعقد ہونے والے سہ روزہ اجلاس کے آخری دن ساری دنیا سے اجلاس میں شرکت کے لیے جانے والوں کو خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کی سعادت حاصل کرنے کا موقع دیا گیا۔

یاد رہے کہ گزشتہ چھ ماہ سے کعبۃ اللہ کی عمارت کی اندر سے تعمیرِ نو ہو رہی تھی اور اس دوران کعبہ شریف کی عمارت کو سفید دیوار سے گھیر دیا گیا تھا۔ کعبہ شریف کی چھت اُتار دی گئی تھی اندر سے فرش بُنیاد تک کھود دیا گیا تھا کیونکہ زمین کے اندر دیمک ہونے کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا جس سے عمارت کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ چنانچہ چھت اُتار کر فرش بُنیاد

تک کھود دیا گیا تھا، اس کارروائی کے بعد کعبہ شریف کے فرش کے نیچے دیمک سمیت جراثیم کش دوائیں اور مسالے ڈال کر اندر کے حصّے میں نیا فرش، دیواریں اور چھت کی تعمیر کی گئی۔ باہر کا حصّہ جوں کا توں رکھا گیا۔ کعبۃ اللہ کے اندر کے حصّے کی چھ ماہ تک تعمیر نو کے بعد ایک ماہ قبل باہر کی دیواروں کو جن سے عمارت کو گھیرا گیا تھا ہٹا دیا گیا اندر کی عمارت کا افتتاح ہو چکا ہے اور مساجد سے متعلق عالمی کونسل کے ارکان کو بھی اندر داخل ہونے کی سعادت دی گئی اور دروازہ کا تالا کھولنے کی سعادت حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کو حاصل ہوئی۔

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ اجلاس کے افتتاحی جلسے میں مساجد کونسل کے نمائندوں کی طرف سے اجلاس کو خطاب کیا، جس میں مملکت سعودی عربیہ کے شاہ اور خادم الحرمین شریفین جلال عبدالملک فہد بن عبدالعزیز کا پیغام ان کے بھائی جو امیر ملک ہیں نے پڑھ کر سُنایا۔ اجلاس کی صدارت عالمی کونسل برائے مساجد کے صدر اور عالمِ اسلام کی بے حد ممتاز شخصیت شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے کی، رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر صالح عبداللہ عبید نے بھی اجلاس سے خطاب کیا۔ سہ روزہ اجلاس ختم ہوا جس میں دُنیا بھر کی مختلف مساجد سے متعلق معاملات پر غور و فیصلہ کیا گیا۔ رابطہ عالمِ اسلامی کے تحت مساجد سے متعلق یہ عالمی کونسل زبردست اہمیّت کی حامل ہے۔ اجلاس کے بعد تمام مندوبین کو کعبہ شریف کی عمارت کی اندر سے زیارت کی سعادت حاصل کرنے کا موقع دیتے وقت دروازے کا تالا کھولنے کے لیے حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کو دعوت دی گئی اور اس مخصوص شیبی خاندان کے کلید بردار نے حضرت مولانا مدظلہٗ کو کلید پیش کی، حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی جو عالمی مساجد کونسل کے اجلاس میں خاص طور سے شرکت کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ انشاء اللہ ۲۸ دسمبر کو واپس تشریف لائیں گے۔ (بشکریہ روزنامہ قومی آواز، ۱۹ دسمبر ۱۹۹۶ء)"

یاد رہے کہ حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہم کو بیت اللہ شریف میں داخلے کی سعادت اس سے پیشتر بھی متعدد مرتبہ حاصل ہو چکی ہے۔ بیت اللہ شریف میں ایک مرتبہ داخلے کی سعادت کا

تذکرہ خود آپ نے اپنے قلمِ حقیقت رقم سے کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ موقع کی مناسبت سے ذکر کر دیا جائے۔ ملاحظہ فرمایئے مولانا مدظلہ تحریر فرماتے ہیں۔

"اس سال کی ایک خصوصیت جس کو الطافِ خداوندی میں شمار کیا جا سکتا ہے جو ایک مقبول و مخلص بندہ کی وجہ سے نصیب ہوئی یہ تھی کہ شیبی صاحب (کلید بردار خانۂ کعبہ) نے جن سے پہلے کوئی تعلقات نہ تھے اس سفر کے ایک ہمراہی کو خود خانہ کعبہ کے داخلے کی دعوت دی اور اس کی اجازت دی کہ جن لوگوں اور ہمراہیوں کو وہ ساتھ لانا چاہیں لائیں، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت کی ضیافت تھی۔ اس صلائے عام سے پورا فائدہ اُٹھایا گیا اور نہ صرف اس قافلے کے ہمراہیوں نے بلکہ بہت سے دوسرے احباب اور غیر متعلق ساتھیوں نے بھی نہایت اطمینان کے ساتھ کسی ناجائز و مکروہ وسیلہ (بخشش وغیرہ) کو اختیار کیے یا کشمکش و مزاحمت کے بغیر داخلہ کا شرف حاصل کیا اور اطمینان سے جوفِ کعبہ میں نوافل پڑھے، بعض ساتھی چونکہ رہ گئے تھے۔ دوسرے دن شیبی صاحب نے ازراہ کرم دوبارہ اجازت دی اور انتظام کیا اور پھر حضرت کی معیت میں دوبارہ داخلی ہوئی اور اطمینان سے نوافل و دُعا کا موقع ملا اور اس طرح سے ضُعفاء اور نااہل بھی اس شرف سے فراز ہوئے۔

مورِ مسکیں ہوَسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست بر پائے کبوتر زدو ناگاہ رسید

بعض رفقائے سفر و خدام جو اس سے پہلے بھی مکہ معظمہ حاضر ہوئے تھے اور اس کے بعد بھی متعدد بار اُن کو یہ شرف حاصل ہوا لیکن کبھی اس سہولت اور خوبی کے ساتھ داخلے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ اس کو حضرت کے اس سفر کی برکت اور اللہ تعالیٰ کا انعامِ خصوصی سمجھتے ہیں۔"[1]

---

[1] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ ص ۱۸۱

مضامینِ علمیہ

(قسط ۱۸ آخری)

تحفۂ اصلاحی

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

○

امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر "تدبر القرآن" کے علاوہ اُصولِ تفسیر میں "مبادی تدبّر قرآن" اور اُصولِ حدیث میں "مبادی تدبّرِ حدیث" بھی لکھی ہیں۔ اصلاحی صاحب کے مبادی اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ع

ہُوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اپنے سلسلہ مبادی میں اُنہوں نے جو گل افشانیاں کی ہیں وہ مدلّل ابطال اور احقاق حق کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اصلاحِ احوال کا ذریعہ بنائے آمین

غلطی نمبر ۳۔ سورۂ مائدہ کی اس آیت میں یوں ہے

انما جزاؤا الذین یحاربون اللہ و رسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم۔

یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جائیں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا جلاوطن کر دیے جائیں یہ ان کی رسوائی ہے دُنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

اصلاحی صاحب نے ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو تفصیل ذکر کی ہے اس سے لازم آتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں عذاب عظیم بھی ہو۔ کیونکہ اصلاحی صاحب کی فکر کے مطابق حکومت کی گرفت میں آنے

سے پہلے تک اُنھوں نے توبہ نہیں کی تھی۔ خاص گرفت میں آنے کے بعد کی توبہ کا بھی علم نہیں ہے لہٰذا اب اس میں دو احتمال ہیں۔

۱۔ اصلاحی صاحب یا تو اُن کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

اگر ایسا ہے تو پھر وہ اعتراض بھی پڑے گا جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ایسا معاملہ ماعز رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کی شان سے بعید ہے اور یہ بھی سوال پیدا ہوگا کہ اخروی عذاب عظیم ہے بچاؤ کی کیا صورت پیش آئی تھی۔ اس کے لیے محض اٹکل سے کام نہیں چلے گا۔ مستند تاریخی واقعات سے ثابت کرنا ہوگا۔

۲۔ یا اصلاحی صاحب ان کو غیر مسلم سمجھتے ہیں جیسا کہ خود اصلاحی صاحب کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی یہی خیال ہوتا ہے۔

"اس عہد کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بہت سے ڈیرے والیاں ہوتی تھیں جو پیشہ کراتی تھیں اور ان کی سرپرستی زیادہ تر یہودی کرتے تھے جو ان کی آمدنی سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد ان لوگوں کا بازار سرد پڑ گیا، لیکن اس قسم کے جرائم پیشہ آسانی سے باز نہیں آتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی قماش کے کچھ مرد اور بعض عورتیں جو زیرِ زمین یہ پیشہ کرتے رہے اور تنبیہ کے باوجود باز نہیں آئے۔ بالآخر جب وہ قانون کی گرفت میں آئے تو مائدہ کی اسی آیت کے تحت آپ نے ان کو رجم کرایا۔" (تدبر قرآن ص ۵۰۶ ج ۲)

اس صورت میں یہ ایک اور اجماعِ اُمت کو توڑنا ہوا کیونکہ پوری اُمت اس پر متفق ہے کہ ماعز رضی اللہ عنہ مسلمان تھے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بھی رہ چکے تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری اس بات پر کوئی نہ کوئی شخص ضرور آواز لگائے گا کہ حدیث میں ماعز رضی اللہ عنہ کی توبہ کا ذکر ہے۔

فكان الناس فيه فرقتين فقائل يقول قد هلك قد احاطت به خطيئته و قائل يقول ما توبة افضل من توبة ماعز انه جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم فوضع يده في يده ثم

ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں کی دو جماعتیں تھیں۔ ایک کہنے والے کہتے تھے کہ وہ ہلاک ہوئے ان کے گناہ نے ان کا احاطہ کر لیا تھا اور دوسرے کہنے والے یہ کہتے تھے کہ ماعز کی توبہ سے کوئی توبہ افضل نہیں ہے۔ وہ (خود) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

قال اقتلنی بالحجارة فلبثوا بذلك يومين او ثلاثة ثم جاء صلّى الله عليه وسلّم و هم جلوس فسلم وجلس فقال استغفروا لماعز فقالوا قد غفرالله لماعز بن مالك فقال لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لو سعتهم

(جمع الفوائد ص ۴۹۲ ج ۱)

پاس آئے اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیا پھر درخواست کی کہ مجھے سنگسار کر دیجیے۔ دو تین دن ایسے ہی گزرے پھر جب کہ صحابہ بیٹھے ہوئے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے سلام کیا اور بیٹھ گئے اور فرمایا ماعز کے لیے استغفار کرو۔ صحابہ نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے ماعز بن مالک کو بخش دیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر وہ ایک جماعت کے درمیان تقسیم کر دی جائے تو ان کو کافی ہو جائے۔

اور ایک دوسری روایت میں آتا ہے۔

والذی نفسی بیده انه الآن لفی انهار الجنة ینغمس فیها (ایضاً)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ماعز اس وقت جنّت کی نہروں میں غوطے لگا رہے ہیں۔

ماعز رضی اللہ عنہ کی توبہ کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو گی کہ خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کی خبر دے رہے ہیں۔

لیکن جو شخص بھی یہ بات کہے گا یہ اس کی کوتاہ بینی اور جلد بازی کا مظاہرہ ہو گی۔ کیونکہ ہم تو اسی رائے کے قائل ہیں کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے وقتی طور پر ایک گناہ ہوا جس پر ان کو انتہائی ندامت اور پشیمانی ہوئی جو توبہ ہی ہے اور اسی توبہ کی تکمیل کے طور پر انھوں نے بعض لوگوں سے مشورہ کر کے اپنے آپ کو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کر دیا اور آپ سے حد قائم کرنے کی درخواست کی۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس بات کی خبر نہیں تھی کہ سنگسار کیا جا سکتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس سے پہلے رجم کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا ہو۔

لیکن اصلاحی صاحب کا فلسفہ تو یہ ہے کہ قانون کی گرفت میں آنے تک انھوں نے توبہ نہیں کی تھی۔ بلکہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پوچھ گچھ پر جب سمجھ گئے کہ بات چھپ نہیں سکتی تو اپنے جرم کا اقرار کر لیا، قانون کی گرفت میں آنے کے بعد بھی کوشش یہی تھی کہ جرم سے منکر ہوں اور اقرار اسی وقت کیا جب کوئی گنجائش

اب اگر توبہ کی ہوتی تو اس کے بعد کی ہوتی۔ ہم یہاں کہتے ہیں کہ اقرارِ جرم اور بچاؤ کی ہر صورت سے مایوسی کے بعد توبہ کس دلیل سے ثابت ہے اور اگر ثابت بھی ہو تو کیا وہ اس بلند درجے کی ہو گی کہ اگر ایک جماعت پر تقسیم کی جائے تو پوری جماعت کے لیے کافی ہو جائے۔

مذکورہ بالا حدیثیں اس توبہ پر دلیل نہیں بن سکتیں کیونکہ کہاں ایک شخص جس سے وقتی طور پر کسی گناہ کا سرزد ہونا اور اس پہ اس کا پشیمان ہونا اور اپنے آپ کو گناہ سے پاک کرانے کے لیے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کرنا اس کی توبہ اور کہاں ایک ایسے غنڈے بدمعاش کی توبہ کہ جس کو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے تنبیہات ہوتی رہی ہوں پھر بھی باز نہ آیا ہو اور زیرِ زمین بدمعاشی کا اڈا کھولا ہوا ہو اور جب پکڑا گیا تو اعتراف جرم صرف اسی صورت میں کیا جب تاڑ گیا کہ چھپانے سے جرم چھپ نہ سکے گا۔ شتان بینھما کیا حدیث میں جس کمال درجے کی توبہ کا ذکر ہے کہ اگر ایک جماعت میں تقسیم کر دی جائے تو ان کے لیے کافی ہو جائے کیا ایک غنڈے بدمعاش کی جان سے مایوس ہو کر توبہ کرنے پر صادق آتی ہے۔ ایک عام عقل و سمجھ رکھنے والا شخص بھی دونوں کے درمیان فرق کرے گا۔ تو جب دونوں قسم کی توبہ میں فرق ہوا تو اصلاحی صاحب کے نزدیک جو توبہ ہوئی ہو گی ہم اسی کے ثبوت کی دلیل طلب کر رہے ہیں۔ دوسری قسم کی توبہ جو واقعی ایک صحابی بالمعنی الاعم کے شایانِ شان تھی اس کے تو ہم دل و جان سے قائل ہیں۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا و ھب لنا من لدنك رحمة۔

نکتہ: اصلاحی صاحب کی تحقیق ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں: "آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس (یعنی ماعز) کی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہی، لیکن چونکہ کسی صریح قانون کی گرفت میں یہ نہیں آیا تھا۔ اس وجہ سے آپ نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ بالآخر یہ قانون کی گرفت میں آ گیا۔ آپ نے اس کو بلوا کر تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی۔ وہ تاڑ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی اس وجہ سے اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا تو آپ نے اس کے رجم کا حکم دے دیا۔" (تدبر قرآن ج ۴ ص ۵۰۶)

واقعی ایسی تحقیق انیق اصلاحی صاحب جیسے ہی لوگوں کا کام ہے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو شرارتوں کی رپورٹ بھی ملتی رہی، لیکن آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نعوذ باللہ من ذلک اسی انتظار میں رہے کہ کسی صریح قانون کی گرفت میں آئے تو کچھ اقدام کریں۔ آخر وہ شرارتیں کیا تھیں جن کی رپورٹ ملتی رہتی تھی۔ کیا

وہ کسی قسم کی گرفت کے لیے بھی کافی نہ تھیں یا منتظم اور مدبر حکومتیں اسی انتظار میں رہتی ہیں کہ فسادی اور معاشرہ کے لیے خطرہ پیدا کرنے والے لوگ کوئی بڑا فساد برپا کریں تو پھر کوئی اقدام کریں۔ شاید اصلاحی صاحب کی ریاست کے یہی خدوخال ہیں۔

غلطی نمبر ۴: اصلاحی صاحب کی ابتداء میں ذکر کی گئی عبارت میں یوں ہے

"اب بھلا بتائیے جب الزانیۃ والزانی کہا جائے تو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا کوئی تصوّر کہاں حائل ہوتا ہے کہ اس سے شادی شدہ مُراد نہیں ہوسکتا۔ دونوں پر اس کا اطلاق ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ تمام شرائط جو زنا کے ہیں وہ وہاں بھی پائے جاتے ہیں کوئی قرینہ بھی پہلے سے ایسا موجود نہیں ہے جو یہ بتاتا ہو کہ یہاں شادی شدہ کو الگ کرکے اس کو رجم کیا جائے"

ہم اس بات کی طرف پہلے توجہ دلا چکے ہیں کہ فراہی اور اصلاحی صاحبان دونوں کے نزدیک زانی اگر کوڑوں کی سزا کھانے کے باوجود دوسری مرتبہ اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اگر شادی شدہ ہو تو اس کو رجم کیا جائے گا اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کو جلاوطن کیا جائے گا۔ رجم اور جلاوطنی میں بہت بڑا فرق ہے۔ آخر اس فرق کے لیے کونسا قرینہ ہے اگر کہیے کہ حدیث اس کا قرینہ ہے تو حدیث ہمارے لیے بھی قرینہ بن سکتی ہے۔ پھر آخر حدیث (عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ) میں جو فرق کیا گیا تو اس کی کوئی علت تو ہوگی اور وہ علت غور و فکر سے یہی سمجھ میں آتی ہے کہ شادی شُدہ زانی نے اپنی شہوت پوری کرکے کا ذریعہ ہوتے ہوئے حرام جگہ طلب کی جب کہ غیر شادی شُدہ کو اپنی خواہش پوری کرنے کی وہ سہولت میسّر نہیں ہے (بعض استثنائی حالتوں کو چھوڑ کر اکثر ایسے ہی ہوتا ہے کہ شادی شدہ کے پاس بیوی موجود ہوتی ہے۔)

لہٰذا یہ علت اس بات پر قرینہ ہے کہ جب ہم الزانیۃ والزانی کہیں تو اس سے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں مراد نہ ہوں بلکہ صرف ایک ہی مراد ہو اور دوسرا اس سے خارج ہو۔ اگر شادی شُدہ مراد ہو تو پھر اس کی سزا سو کوڑے ہوئی اور غیر شادی شدہ کی اس سے کم ہو، لیکن چونکہ اس کا کوئی قائل نہیں لہٰذا اس سے مُراد غیر شادی شدہ ہوگا اور شادی شدہ کی اس سے زیادہ سخت سزا ہوگی

اور اس زیادہ سخت سزا کا بیان حدیث سے ملا کہ رجم ہے۔

غلطی نمبر ۵ : اصلاحی صاحب آیت توریث کے بارے میں کہتے ہیں کہ :

"آیت کے حکم کی عمومیت کا ظاہر تقاضا تو یہ ہے کہ ہر باپ اپنے بیٹے کا اور ہر بیٹا اپنے باپ کا وارث ہو، لیکن اس کے اندر یہ تخصیص مضمر ہے کہ اختلاف دین کی صورت میں یہ عموم باقی نہیں رہے گا بلکہ یہ چیز توارث میں مانع ہو جائے گی۔"

اصلاحی صاحب کا یہ دعوٰی بلا دلیل ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ مسلم بیٹے کی موت پر اس کے کافر والدین کو میراث ملنی چاہیے، کیونکہ یہ لڑکے کے چھوڑے ہوئے مال میں ایک دینوی نفع ہے اور دینوی منافع میں والدین کا لحاظ رکھنے کا حکم ہے۔ خواہ وہ کافر ہی ہوں اور خاص طور سے کمانے والے بالغ لڑکے کی موت پر تو غریب والدین معاشی سہارے کے بہت زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔

وصاحبھما فی الدنیا معروفا	اور ساتھ دے ان کا دنیا میں دستور کے مطابق۔
ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا	اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی سے رہنے کی۔

اور ان نصوص سے لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا کی ایک گونہ تخصیص ہو گئی۔ پھر لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا سے یہ تو حاصل ہوتا ہے کہ کافر (والدین کے علاوہ) وارث کا مسلمان کے مال میں کوئی حق نہ ہو، لیکن کافر کے مال میں مسلمان کا حق نہ ہونے کا ذکر نہیں ہے بلکہ جو لوگ نصوص میں بھی مفہوم مخالف کے قائل ہیں ان کے مطابق تو کافر کے مال میں مسلمان وارث کا حق نکلنا چاہیے۔

آیت توریث یوصیکم اللہ فی اولادکم . . . الآیہ میں ہمیں قطعاً کوئی ایسی دلیل یا قرینہ نہیں ملتا جن کی بناء پر ہم کہیں کہ اس میں یہ حکم مضمر ہے کہ مسلم کافر کا اور کافر مسلم کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اس آیت میں زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ خطاب مسلمانوں سے ہے کہ اے مسلمانوں اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں ہدایت دیتے ہیں۔ اولاد مسلم ہو یا کافر ہو اس میں کسی تخصیص پر قرینہ موجود نہیں اسی طرح یہ الفاظ آباؤکم وابناؤکم میں ہے (کہ اے مسلمانوں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے) لیکن کسی تخصیص پر کوئی قرینہ نہیں ہے۔ یہ اصلاحی صاحب کے تحکمات ہیں کہ دلیل کوئی ذکر نہ کریں۔ یہاں تک کہ ان کی تفسیر تدبر قرآن اس

پر سرے سے کوئی کلام ہی نہیں ہوا اور توقع کریں کہ ان کے دعوٰی کو خواہ وہ ہدایت کے کتنا ہی بلا چوں و چرا تسلیم کر لیا جائے۔

اصلاحی صاحب کے طریق تفسیر و تدبر میں حدیث کے مقام کی مزید تفصیل

اصلاحی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن تدبر کرنے والوں کو دو قسم کے الفاظ و آیات سے سابقہ پیش آتا ہے۔

(۱) وہ الفاظ و آیات جن کی تفسیر خود قرآن سے کرنے میں تدبّر کرنے والے کو کوئی اشکال نہ پیش آرہا ہو اور بات واضح طور پر سامنے آرہی ہو اور وہ اپنے حاصل کردہ نتیجہ پر مطمئن بھی ہو۔

ان میں پھر حاصل شدہ تفسیر کی منقول تفسیر کے اعتبار سے دو صورتیں ہیں یا تو وہ منقول کے موافق ہوگی یا مخالف ہوگی۔

(۲) وہ الفاظ و آیات جن کا سیاق و سباق اور عمود و نظم اور مماثل آیات کی روشنی میں مطالعہ کرنے کے باوجود بات صاف نہ ہو رہی ہو، پوری تشفی نہ ہو رہی ہو اور بقول اصلاحی صاحب الفاظ کچھ چاہتے ہیں، لیکن صاف نہیں معلوم ہوتا کیا چاہتے ہیں؟"

دوسری قسم کے الفاظ و آیات کی تفسیر کے بارے میں اصلاحی صاحب نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے اس کے بارے میں ہم نے پیچھے مفصل کلام کیا ہے اور بتایا ہے کہ اُن کی یہ روش اسلاف کے طریقے سے ہٹی ہوئی ہے اور حدیث و اقوال صحابہ سے فائدہ اُٹھانے کے باوجود اُن کو اُن کا صحیح حق نہ دینا ہے۔ تفصیل کے لیے اس بحث پر دوبارہ نظر ڈال لیجیے۔

پہلی قسم کے الفاظ و آیات کی تفسیر میں بھی اصلاحی صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس کو اُنھوں نے مبادی تدبّر قرآن میں تفصیل سے ذکر کیا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

> "ہمارے نزدیک یہ طریقہ صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید کے مطالعہ میں تفسیروں کو مقدم رکھا جائے۔ اس راہ میں طرح طرح کے خطرے ہیں۔ ہم تفسیر کی حالت پر آگے بحث کریں گے۔ ہمارے پاس جو تفسیریں ہیں وہ دو ہی قسم کی ہیں یا تو وہ کسی خاص سکول کی ترجمانی کر رہی ہیں یا وہ روایات اور اقوال سلف کے تمام

رطب و یابس کا مجموعہ ہیں۔ ایک حقیقی طالب کی راہ میں یہ دونوں چیزیں روک ہوسکتی ہیں۔ طالب قرآن جب ان کے چکر میں پھنس جاتا ہے تو اس کی جستجو اور تحقیق کی رو طبعی نہیں رہ جاتی مصنوعی اور غیر طبعی ہو جاتی ہے۔ وہ اس راہ پہ پڑ جانے کے بعد قرآن کے لفظوں کی رہنمائی سے محروم اور اسکا مذاق آہستہ آہستہ دوسروں کے خیالات و افکار سے مغلوب ہو جاتا ہے پس صحیح راہ یہی ہے کہ آدمی ان چیزوں میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے صرف قرآن کو اپنی تمام توجہ کا مرکز بنائے۔ اس کی ایک ایک آیت بلکہ ایک ایک لفظ پر تدبر کرے۔ ٹھیک مفہوم متعین کرے۔ طبیعت میں جو سوال پیدا ہو اُس پر بار بار غور کرے جو بات سمجھ میں آئے اس کے نظائر و شواہد تلاش کرے۔ سیاق و سباق سے اس کی مطابقت معلوم کرے۔ نظم کے اعتبار سے اس کا موقع و محل دیکھے۔ عمود کلام کے پہلو سے اس کی مناسبت کو جانچے پھر اسی پر خود اپنی طرف سے شکوک و شبہات وارد کرے اور جب دیکھ لے کہ اس نے جو بات سمجھی ہے بالکل پکّی ہے اس میں کسی پہلو سے کوئی خامی نہیں ہے۔ تب تفسیروں میں اس کو دیکھے اور ہمیشہ صحیح روایات پہ نگاہ رکھے۔ ضعیف اور کمزور روایات کو جن سے کُتب تفسیر بھری ہوئی ہیں کبھی ہاتھ نہ لگائے۔ انشاء اللہ صحیح روایات سے اس کی تائید ہو گی اور اپنے دل میں ایک ایسی خوشی کا جوش محسوس کرے گا جس میں اطمینان بلندی اعتماد اور عشق و محبّت قرآن کی نہیں معلوم کتنی کیفیتیں ملی ہوئی ہوں گی،

لیکن فرض کیجیے یہ سارے جتن کرنے کے بعد آپ کسی آیت کے باب میں میں ایک نتیجے تک پہنچے اور جب تفسیر کی کتابوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ صحیح حدیثیں اور سلف کے اقوال آپ کے اختیار کردہ مطلب کے خلاف ہیں اور کوئی ادنیٰ تائید بھی آپ کے ساتھ نہیں ہے تو اس وقت کیا کریں گے؟ کیا روایات اور اقوالِ سلف کو چھوڑ کر اپنی بات پر جم جائیں گے؟ نہیں! طالب صادق کی راہ

یہ نہیں ہے بلکہ آپ ان احادیث اور اقوال کی روشنی میں اپنی تاویل پہ دوبارہ غور کریں گے۔ اس صورت میں گمانِ غالب تو یہی ہے کہ اگر آپ غلطی پر ہوں گے تو آپ کی غلطی خود واضح ہو جائے گی، لیکن فرض کیجیے آپ نے یہ مرحلہ بھی طے کر لیا، مگر آپ کو اپنی ہی تاویل صحیح معلوم ہوتی ہے اب کیا کریں گے؟ اب خود حدیث پر غور کریں گے اس کو ہر پہلو سے پرکھیں گے۔ ہر کسوٹی پر جانچیں گے۔ انشاء اللہ یہ چیز مفید ثابت ہو گی، یا تو آپ کی تاویل کا ضعف واضح ہو جائے گا یا حدیث کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی، لیکن طالب کے لیے یہ مرحلے نہایت سخت ہیں اور ان میں صبر و ثبات کی ضرورت ہوتی ہے۔ عجلت اور تیز گامی اس منزل میں معصیت ہے۔ اس طرح کے مواقع پر عرصہ تک توقف کرنا چاہیے اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے، جب قلب پوری طرح سے ایک بات کے لیے کھل جائے کسی طرح کی بھی کوئی خلش باقی نہ رہ جائے تو اس بات کو اختیار کر لینا چاہیے اور پھر اس امر کی ذرا بھی پروا نہیں کرنی چاہیے کہ کوئی چیز اس کے خلاف ہے۔" (ص ۵۵، ۵۴ مبادی تدبر قرآن)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

"جو لوگ احادیث کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں وہ اس روشنی ہی سے محروم ہو جاتے ہیں جو قرآن مجید کے بہت سے اجمالات کے کھولنے میں سب سے زیادہ مددگار ہو سکتی ہے۔ اعتدال کی راہ اس معاملہ میں یہ ہے کہ قرآن مجید کے اجمالات جس حد تک صحیح احادیث کی روشنی میں کھلتے ہوں اس حد تک ان صحیح احادیث کی رہنمائی سے پورا فائدہ اٹھایا جائے اور ان کے بالمقابل ہرگز کسی دوسری چیز کو ترجیح نہ دی جائے اور اگر حدیث صریحاً قرآن مجید کے الفاظ اور اس کے سیاق و نظم کے خلاف پڑ رہی ہو تو اسے مقامات پر توقف کرنا چاہیے اور اسی صورت میں حدیث کو چھوڑنا چاہیے جب یا تو کسی طرح الفاظِ قرآن سے اس کی موافقت ہو ہی نہ سکتی ہو یا حدیث کے ماننے

کے سبب سے دین کی کسی ایسی اصل پر زد پڑ رہی ہو جس کا ماننا ضروری ہو، جہاں تک صحیح احادیث کا تعلق ہے بہت کم ہی ایسی نوبت آتی ہے کہ قرآن کے ساتھ ان کی موافقت ہو ہی نہ سکے۔ ایسے مواقع پر بہرحال مقدم قرآن ہے اور کسی طرح بھی اس کے تقدم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، لیکن ایسے مواقع بہت زیادہ نہیں ہیں۔" (ص ۱۹۵ مبادی تدبر قرآن)

اصلاحی صاحب کی عبارات میں تعارض

اصلاحی صاحب کے ذکر کردہ طریقہ تفسیر پر کچھ کلام سے پیشتر ہم اصلاحی صاحب کی عبارات میں ایک صریح تعارض کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ اصلاحی صاحب لکھتے ہیں۔

"حالانکہ فہم قرآن کی کلید خود قرآن ہی ہے۔ وہ اپنے تمام اجمالات کی خود تشریح کرتا ہے۔ وہ اپنے مفہوم و معنیٰ کی تعیین اپنے مقاصد و مطالب کی تفسیر اور اپنے نکات و حقائق کی تشریح کے لیے کسی چیز کا محتاج نہیں ہے بلکہ قرآنی بلاغت کا یہ ایک عجیب اعجاز ہے (اور یقیناً اس آسمان کے نیچے صرف اسی کتاب عزیز کی یہ خصوصیت ہے) کہ وہ اپنے اکثر مشکل الفاظ اور دقیق اسالیب کے حل کے لیے بھی اپنے اندر مثالوں اور نظائر کا ایک قیمتی ذخیرہ رکھتی ہے۔ (ص ۵۳ مبادی تدبر قرآن)

دیکھئے ایک طرف تو اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے اجمالات جس حد تک صحیح احادیث کی روشنی میں کھلتے ہیں اس حد تک ان صحیح احادیث کی رہنمائی سے پورا فائدہ اٹھایا جاتے اور احادیث قرآن مجید کے بہت سے اجمالات کے کھولنے میں سب سے زیادہ مددگار ہو سکتی ہے اور دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ قرآن اپنے تمام اجمالات کی خود تشریح کرتا ہے۔ اب یہ صریح تعارض نہیں تو اور کیا ہے جبکہ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے بعض اجمالات احادیث کی رہنمائی کے بغیر نہیں کھلتے اور دوسری عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن اپنے تمام اجمالات کو خود کھولتا ہے۔

البتہ ان دونوں عبارتوں میں مطابقت کی ایک صورت ممکن ہے جو اصلاحی صاحب کی عبارات کی

روشنی میں وہ ہے کہ جس کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور جو اصلاحی صاحب کے الفاظ میں یوں ہے کہ

"... ایک آیت پر اس کے الفاظ کی روشنی میں پوری طرح غور کیا۔ قرآن مجید میں جو آیات اس کی مماثل ہیں اُن کی روشنی میں بھی اس کو اچھی طرح دیکھ لیا۔ سیاق و سباق اور عمود و نظم کے پہلو سے بھی اس پر نگاہ ڈال لی، لیکن ان تمام باتوں کے بعد بھی پوری طرح تشفی نہیں ہوتی۔ الفاظ کچھ چاہتے ہیں لیکن صاف نہیں معلوم ہوتا کیا چاہتے ہیں۔ اب ہم احادیث اور اقوالِ صحابہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کوئی ایسی بات پا لیتے ہیں جس سے آیت کا تمام عالم روشن ہو جاتا ہے الفاظ کو اس کے بعد کسی بات کا انتظار نہیں رہ جاتا، نظم اور سیاق کلام سب کا حق ادا ہو جاتا ہے تو اس بات کو اگر وہ صحیح طریقہ سے منقول ہو گی قبول کر لیں گے۔" ص ۱۴۷

مطلب یہ ہے ... جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں ... کہ اس اجمال کو کھولنے کے لیے حدیث یا قولِ صحابی کو نہیں لیں گے بلکہ اس سے جو نکتہ اور POINT حاصل ہو رہا ہے اس کو لے لیں گے یا بالفاظ دیگر روایت کا صرف مضمون لے لیں گے اور روایت و حدیث کی طرف نسبت کیے بغیر آیت کے اجمال وغیرہ کو حل کریں گے۔

اگر بات ایسی ہی ہے تو اس سے ہماری گزشتہ بات کی مزید تائید ہو گئی اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اصلاحی صاحب اس علمی خیانت اور سرقہ کے قائل ہیں کہ مشکل کا حل کسی سے حاصل کریں اور اس کے حصول کی نسبت حل کرنے والی کی طرف بھی نہ کریں۔

اور اگر اصلاحی صاحب کو ہماری اس بات سے اتفاق نہیں ہے تو پھر ان کے ذمے ہے کہ قابلِ تشفی طریقے پر اس تعارض کو دور کریں۔

اب ہم اصلاحی صاحب کے طریقہ تدبّر و تفسیر پر نظر ڈالتے ہیں۔ ان کے طریقے کے مطابق تفسیر کرتے ہوئے جس نتیجہ پر پہنچیں گے تو وہ یا تو منقول تفسیر کے موافق ہو گا یا اس کے مخالف ہو گا۔ موافق ہونے کی صورت میں ہم اپنے اشکالات و اعتراضات سے قطع نظر کر لیتے ہیں۔ البتہ مخالف ہونے کی صورت میں ہم اپنے اندیشوں اور فی الواقع خطرات کو ظاہر کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

۱۔ اصلاحی صاحب نے ص ۱۹۵ (مبادی تدبّر قرآن) پر لکھا کہ

"جہاں تک صحیح احادیث کا تعلق ہے۔ بہت کم ہی ایسی نوبت آتی ہے کہ قرآن کے ساتھ ان کی موافقت ہو ہی نہ سکے۔ ایسے مواقع پر بہرحال مقدم قرآن ہے اور کسی طرح بھی اس کے تقدم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، لیکن ایسے مواقع بہت زیادہ نہیں ہیں۔"

اس عبارت میں بھی تعارض ہے۔ بہت کم کے الفاظ سے ایک خاص مفہوم اور تاثّر حاصل ہوتا ہے جبکہ بہت زیادہ نہیں ہے اس سے خاصا مختلف مفہوم اور تاثّر حاصل ہوتا ہے ہمارا خیال ہے کہ اگر کوئی کج بحثی پر نہ اتر آئے تو وہ ہماری اس بات سے اتّفاق کرے گا۔ اس کو محض لفظی گرفت نہ سمجھا جائے کیونکہ اصلاحی صاحب کو زبان و ادب پر جو قدرت حاصل ہے اس کے پس منظر میں ہم یہ بعید سمجھتے ہیں کہ انھوں نے بلا سوچے سمجھے یہ الفاظ لکھ دیے ہوں گے، بلکہ ہمیں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ ابتدا میں انھوں نے تقلیل میں جو مبالغہ کیا ہے آگے جا کر اس کے اثر کو زائل کرنے کے لیے انھوں نے بہت زیادہ نہیں کے الفاظ استعمال کیے ہیں تاکہ اپنی اور اپنے طریقہ پر چلنے والوں کی راہ کو محدود نہ کریں۔

۲۔ پھر دیکھیے مبادی تدبّر قرآن میں اصلاحی صاحب نے تدبّر و تفسیر کے اُصول تحریر کیے ہیں۔ جب ان کو یہ اُصولی علم حاصل ہے کہ صرف چند ہی مقامات پر مذکورہ طریقہ سے حاصل شدہ تفسیر منقول تفسیر کے خلاف ہے اور جب وہ خود اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن کے دلائل لفظیہ قطعی ہیں تو اُن کو چاہیے تھا کہ وہ ان مقامات کی اس کتاب میں نشاندہی کر دیتے تاکہ یہ امکان نہ رہتا کہ کوئی دوسرا شخص جو ان کے طریقے پر تدبّر کرتا ہو ان مقامات میں اضافہ کر دے۔ آخر تعارض کی صورت میں یا تو حدیث ناقابلِ اعتبار ہو گی یا اس مدبّر کا نتیجۂ تدبّر غلط ہو گا۔ اور جب وہ کسی وجہ سے اپنے نتیجہ کی غلطی پر مطلع نہ ہو سکا اور اسی کو صحیح سمجھ کر اس نے صحیح حدیث کو ترک کر دیا تو بتائیے کیا یہ معمولی غلطی ہو گی؟ متعیّن طور پر ان کا ذکر نہ کر کے اصلاحی صاحب نے ایک اُصولی غلطی کی ہے اور تدبّر کرنے والے کے لیے یہ راہ کھول دی ہے کہ وہ اپنے فکر میں کسی غلطی کی وجہ سے احادیث صحیحہ کو ترک کر دے اور اس طرح وہ بہت سی احادیث جن کی رہنمائی سے اصلاحی صاحب بھی استفادہ کرنے پر مجبور ہوتے ہوں قرآن کے معارض قرار پائیں اور مسترد کر دی جائیں۔

ہم نہیں سمجھتے کہ اصلاحی صاحب اس نتیجہ کو برداشت کرنے پر تیّار ہوں گے۔ درانحالیکہ ان کے

اسی طریقہ کو جاوید احمد الغامدی اور قاضی کفایت اللہ جیسے گمراہ لوگوں نے اختیار کر کے بعض دیگر مسلمات کا انکار کیا ہوا ہے۔

۳۔ کوئی اور نہیں بلکہ خود اصلاحی صاحب نے جن مقامات میں حدیث کو ترک کیا ہے ان میں خود ان سے غلطی ہوئی ہے۔ چند مثالوں سے ہم اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

(الف) پیچھے ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں کہ سورۃ نور کی آیت الزانیۃ والزانی میں اصلاحی صاحب نے شادی شدہ اور کنوارے زانی دونوں کو مراد لے کر غلطی کی۔

اگر کسی کا خیال ہو کہ اصلاحی صاحب نے احادیث رجم کو ترک تو نہیں کیا بلکہ بجائے شادی شدہ زانی کی حد کے ان کا محل بدمعاش اور غنڈوں کی تعزیر قرار دیا ہے تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ رجم سے متعلق احادیث کا ظاہر رجم کے حد ہونے پر دلالت کرتا ہے جس کی تائید مجتہدین کے اجماع سے بھی ہوتی ہے لہٰذا اصلاحی صاحب کا رجم کو شادی شدہ زانی کے لیے حد نہ کہنا اس معنیٰ میں ان احادیث کو ترک کرنا ہی ہے۔

(ب) ایاما معدودات فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین

یطیقونہ میں ضمیر منصوب متصل کے مرجع کے بارے میں کلام ہم پہلے کر چکے ہیں۔ یہاں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ الذین یطیقونہ سے اصلاحی صاحب نے جو مراد لیا ہے وہ صحیح روایات کے خلاف ہے۔ حالانکہ اس کا نہ تو ایسا معاملہ ہے کہ الفاظ قرآنی سے اس کی موافقت ہو ہی نہ سکتی ہو اور نہ ہی فی الواقع ایسا ہے کہ حدیث و روایت کے ماننے کے سبب سے دین کی کسی اصل پر زد پڑ رہی ہو جس کا ماننا ضروری ہو

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں۔

> "اس تاویل (یعنی ضمیر منصوب متصل کا مرجع طعام کو قرار دینا) کو قبول کر لینے کے بعد مسئلہ کی جو شکل سامنے آتی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ پہلے جو روزے فرض ہوئے تھے اس میں اس بات کی گنجائش تھی کہ اگر لوگ روزے نہ رکھنا چاہیں تو اس کا بدل مسکین کو کھانا کھلا کر پورا کر دیا کریں بلکہ قرآن کے الفاظ سے اس کی

اصلی شکل یہ سامنے آتی ہے کہ جو لوگ بیماری یا سفر کی وجہ سے رمضان کے روزے پورے نہ کر سکتے تھے۔ ان کو اس بات کی اجازت تھی کہ دوسرے دنوں میں یا تو روزے رکھ کر ان چھوڑے ہوئے روزوں کی تلافی کر دیں یا ایک روزے کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر اس کا بدل پورا کر دیں۔ گویا اس وقت تک قضا روزوں کی تلافی مسکین کو کھانا کھلا کر بھی ہو سکتی تھی۔ بعد میں یہ اجازت جیسا کہ آگے والی آیت سے واضح ہو گا منسوخ ہو گئی یعنی قضا شدہ روزوں کی جگہ بھی روزے رکھنا ہی ضروری قرار دیا گیا۔" (تدبر قرآن ج ۱ ص ۵۰۴)

اس مقام پر جمہور مفسرین نے اس صحیح روایت سے استدلال کیا ہے جو بخاری، مسلم، ترمذی ابوداؤد نسائی اور طبرانی وغیرہ میں حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا

لما نزلت هذه الآية وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين كان من شاء منا صام ومن شاء افطر و يفتدى فعل ذلك حتى نزلت الآية التى بعدها فنسختها

جب یہ آیت وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین نازل ہوئی تو ہم میں سے جو چاہتا روزہ رکھتا اور جو چاہتا روزہ نہ رکھتا اور فدیہ دیتا۔ ایسا ہی کیا جاتا رہا یہاں تک اس کے بعد والی آیت (فمن شهد منكم الشهر فليصمه) نازل ہوئی اور اس نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔

اوّل تو اصلاحی صاحب نے اپنی بیان کردہ شکل اس پر مبنی کی ہے کہ یطیقونہ میں ضمیر منصوب متصل کا مرجع طعام ہے اس بارے میں ہم پہلے کلام کر چکے ہیں کہ صوم مراد لینا کسی طرح بھی غلط نہیں ہے اور اصلاحی صاحب کے وارد کردہ اعتراضات کا جواب بھی ہم نے دے دیا تھا اور جب صوم مراد لینے کا احتمال بھی موجود ہے تو لفظ کی کسی ایک متعین معنی پر دلالت قطعی نہیں رہی اور جب اس مقام پر لفظی دلالت ظنی ہوئی تو صحیح روایات کی بناء پر ایک معنی کی تعیین اولیٰ ہو گی اور وہ معنی صوم ہے جس کو مذکورہ بالا روایت کی وجہ سے ترجیح حاصل ہوتی

دوم اگر ہم ضمیر کا مرجع طعام کو بھی بنا لیں تب بھی جہاں تک لفظ الذین یطیقونہ کا تعلق ہے، تو سیاق و سباق اور عمود و نظم کو پیش نظر رکھنے کے باوجود اس میں بھی زیادہ سے زیادہ دو معنی کا احتمال موجود ہے۔ ایک یہ کہ وہ مریض و مسافر ہوں جیسا کہ اصلاحی صاحب نے کہا اور دوسرا یہ کہ

اس سے مراد طاقتِ طعام رکھنے والے عام لوگ ہوں (خواہ وہ تندرست و مقیم ہوں یا بیمار و مسافر) اصلاحی صاحب کے ذکر کردہ تفسیر کے قطعی اُصولوں کو بھی سامنے رکھیں تب بھی جمہور مفسرین اور صحیح روایات کا بیان کردہ احتمال ساقط نہیں ہوتا، بلکہ الفاظِ قرآن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ان وجوہات کی بنا۔ پر مذکورہ صحیح روایت کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ الفاظِ قرآن کے ساتھ اس کی موافقت ہو ہی نہ سکتی ہو۔

باقی رہی یہ بات کہ کیا اس صحیح روایت کو ماننے سے دین کی کسی اصل پر زد پڑتی ہے؟ تو فی الواقع ایسی بات بھی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ اعتراض ہوسکتا ہے جو اصلاحی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ "روزے کی فرضیت کیا ہوئی۔ جبکہ اس بات کی کھلی اجازت موجود تھی کہ کوئی شخص چاہے تو روزے رکھے اور چاہے تو نہ رکھے، اس کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اگر روزے کے ابتدائی حکم کی نوعیت یہ تھی تو کتب علیکم الصیام (تم پر روزے فرض کیے گئے) کا ٹکڑا بالکل غیر ضروری سا ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی فرضیت بالکل بے اثر ہوکر رہ جاتی ہے۔ (تدبر قرآن، ج ۱ ص ۴۰۳)

اس کا جواب ہم نے یہ دیا تھا کہ جمہور مفسرین کی تاویل کی رو سے بھی روزے کی فرضیت برقرار ہے۔ البتہ شروع میں یہ سہولت و رُخصت دی گئی کہ اس فرضیت کو یا تو روزے ہی رکھ کر ادا کرو یا اس کا بدل ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ دے کر۔ آخر فدیہ کو روزے ہی کا تو بدل بنایا اور بدل مبدل منہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ لہٰذا بدل ادا کرنا گویا مبدل منہ ادا کرنا ہے اور پھر اصلاحی صاحب جب مریض و مسافر کے لیے دیگر ایّام میں روزے کی قضا کی فرضیت کی جگہ فدیہ کے بدل کے خود قائل ہیں حالانکہ قضا روزے حالت استطاعت ہی میں رکھنے کا حکم ہے تو کیا ان کے لیے فدیہ کا قول کرنا ان پر روزے کی فرضیت کو بے اثر بنانا نہیں ہے۔

یہ تو اصلاحی صاحب کی زبردستی ہے کہ خود ایک بات کہیں تو وہ صحیح اور قرآن کے موافق اور دوسرے وہی بات کہیں تو وہ قرآن کے مخالف اور غلط۔

حاصلِ بحث یہ ہے کہ اس مثال میں بھی اصلاحی صاحب نے بغیر ان دو سببوں میں سے کسی سبب کے وجود کے جس کو اُنھوں نے صحیح روایت کے ترک کا موجب قرار دیا ہے صحیح روایت کو ترک کیا ہے حالانکہ اس کے حق میں خود الفاظِ قرآنی کی تائیدات موجود ہیں، اب یا تو یہ کہیے کہ اصلاحی صاحب نے عجلت و تیز گامی

سے کام لیا اور جتنا توقف اور غور و فکر کرنا چاہیے تھا اتنا کیا نہیں یا پھر ان کا بیان کردہ طریقہ ہی صحیح نہیں پہلی بات کے لیے تو کسی مدّت کو معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ لہٰذا یہی صورت متعیّن ہو جاتی ہے کہ اصلاحی صاحب کے ذکر کردہ طریقہ ہی کو ناقص سمجھ کر اس کی اصلاح کی جائے اور وہ یہی ہے کہ صحیح روایات کی موجودگی میں تفسیر یا تو بعینہٖ وہی روایت ہو یا ایسی ہو جو اس روایت کے موافق ہو معارض و مخالف نہ ہو۔

(ج) سورۂ یونس کی آیت للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ۔

اصلاحی صاحب اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں "جن لوگوں نے دُنیا میں نیکی کمائی اور احسان کی روش اختیار کی ہو گی۔ ان کے لیے ان کی نیکی کا بدلہ اچھا بھی ہو گا اور ان پر مزید فضل بھی ہو گا۔ یہاں اس مزید فضل کی وضاحت نہیں ہوئی ہے۔ دوسرے مقام میں اس کی تفصیل یُوں آئی ہے۔ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا (جو بھلائی لے کر حاضر ہو گا تو اس کے لیے اس کا دس گنا اجر ہے۔)

اس کے بالمقابل وہ تفسیر جو صحیح احادیث کے مطابق ہے وہ یہ ہے کہ الحسنیٰ سے مُراد المنزلۃ الحسنیٰ ہے یعنی اچھی جگہ اور وہ جنّت ہے اور زیادہ سے مُراد ربّ تعالیٰ کا دیدار ہے۔

صحیح مُسلم میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ تعالیٰ کے قول للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ کے بارے میں فرمایا کہ الحسنیٰ جنّت ہے اور زیادہ اپنے ربّ کا دیدار ہے۔

یہی تفسیر ابوبکر صدّیق، علی، ابن عبّاس، حذیفہ، عبداللہ بن مسعود اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

اس منقول تفسیر کے علاوہ بھی بعض مفسّرین کے اقوال منقول ہیں لیکن وہ صحّت میں اس درجہ کے نہیں ہیں اور پھر مرفوع حدیث کے ہوتے ہُوئے بہرحال اُن کا درجہ بعد میں ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اصلاحی صاحب نے اپنے بتائے ہُوئے اُصول سے خود یہاں بھی انحراف کیا ہے کیونکہ اس روایت کا معاملہ بھی ایسا ہے کہ الفاظِ قرآن سے اس کی موافقت ہو سکتی ہے۔ اور اس کو ماننے سے دین کی کسی اصل پر زد بھی نہیں پڑ رہی۔

اگر اصلاحی صاحب کی جانب سے یہ کہا جائے کہ یہ قاعدہ تو اس صُورت میں ہے جب حدیث صریحاً قرآن مجید کے الفاظ اور اس کے سیاق و نظم کے خلاف پڑ رہی ہو تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ

جب کہ حدیث صریحاً قرآن مجید کے الفاظ اور اس کے سیاق و نظم کے خلاف نہ پڑ رہی ہو تو حدیث میں بیان کی ہوئی تفسیر کی بھی گنجائش نکل آئی اور جب احتمال متعدّد ہو جائیں تو صحیح حدیث میں ایک تفسیر کا وارد ہونا اس کے لیے ترجیح کا موجب ہے لہٰذا حدیث کو اختیار کرنا اولیٰ ہوگا اور اصلاحی صاحب کا بیان کردہ طریقہ ناقص ہوگا۔

پھر اس آیت کی تفسیر میں اصلاحی صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ قرآن مجید ہی کی روشنی میں مرجوح بھی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا یہ آیت خود اصلاحی صاحب نے بھی ذکر کی ہے اور اس کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ جو بھلائی لے کر حاضر ہوگا۔ تو اس کے لیے اس کا دس گنا اجر ہے) جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عام قاعدہ یہی ہے کہ ایک نیکی کا دس گنا اجر ہے لہٰذا للذین احسنوا الحسنیٰ ہی کی تشریح جب قرآن مجید کی روشنی میں کی جائے تو یوں ہوگی کہ جن لوگوں نے نیکی کی اُن کے لیے دس گنا اجر ہے اور زیادہ اس سے علیٰحدہ کوئی چیز ہے۔

یہ چند مثالیں اس امر کو سمجھانے کے لیے کافی ہیں کہ اصلاحی صاحب نے جو طریقہ تفسیر ذکر کیا ہے وہ ناقص بلکہ خطرناک بھی ہے، کیونکہ جب ان مقامات میں حدیث کو ترک کر کے خود اصلاحی صاحب نے یا تو غلطی کی ہے یا مرجوح قول کو اختیار کیا ہے تو اُن کے طریقے کی پیروی کرنے والے تو اُن سے زیادہ غلطیاں کریں گے کیونکہ جو احتیاط خود اصلاحی صاحب سے یا بالفاظِ دیگر موجد طریق سے متوقع ہو سکتی ہے وہ کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتی۔

بقیہ: رحمۃ للعالمین ﷺ

جادلھم بالتی ھی احسن۔ نہایت ہی بہتر اور موزوں صورت سے تبادلہ خیالات کرو۔

لیکن اگر دل مطمئن نہ ہو تو لا اکراہ فی الدین۔ مذہب کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں۔

لکم دینکم ولی دین۔ تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا دین۔

منشاء قانون پر عمل۔ مذکورہ بالا واقعات کی نظائر۔

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

صحابۂ کرام جیسی دو رکعت نماز پڑھنا سکھا دیجیے

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم، حضرت مولانا عبدالحیؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ـــــ کے حضرت سیّد احمد شہید رحمہ اللہ سے بیعت ہونے کا واقعہ تحریر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"مولانا عبدالحیؒ اور مولانا اسمٰعیل خاندانِ ولی اللّٰہی کے چشم و چراغ تھے اور شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدّینؒ کے بعد ہندوستان کے ممتاز ترین علماء میں ان کا شمار تھا۔ علمی تبحّر، رُشد و صلاحیت اور تقویٰ و للّٰہیت میں اپنے ہم عمروں اور اَقران و اَمثال میں ممتاز تھے۔ ان کی علمی عظمت اور صحیح منزلت کا اندازہ شاہ عبدالعزیزؒ کے اس خط سے ہوگا جو آپ نے منشی خیر الدّین کو لکھنؤ حج کے متعلّق لکھا ہے۔ اس میں آپ نے مولانا عبدالحیؒ کو شیخ الاسلام اور مولانا اسماعیل کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے اور دونوں کو تاج المفسّرین، فخر المحدّثین سرآمدِ علمائے محققین کا خطاب دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرات تفسیر و حدیث، فقہ و اُصول، منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں۔ جنابِ باری کی جو عنایت ان دونوں بزرگوں کے شاملِ حال ہے۔ اس کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں کو علمائے ربّانی میں شمار کرو اور جو اشکال حل نہ ہوں، ان کے سامنے پیش کرو۔ بظاہر ان کلمات سے اپنی تعریف نکلتی ہے، لیکن امرِ حق کا اظہار واقفوں پر واجب ہے۔

ایک روز مولانا عبدالحیؒ نے اور ان کے بعد مولانا اسمٰعیلؒ نے سیّد صاحبؒ

سے بیعت کی درخواست کی اور دونوں حلقۂ ارادت اور سلکِ بیعت میں منسلک ہو گئے۔ اُن کی بیعت کا واقعہ اور اُس کا سبب مختلف کتابوں میں مختلف طریقے پر بیان ہُوا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے مستند اور مُفصّل روایت وہ ہے جو مولانا کرامت علی جونپوری رح نے خود مولانا عبدالحئی رح کے حوالے سے بیان کی ہے۔ رسالہ "نورٌ علیٰ نور" میں لکھتے ہیں۔

"اس حکایت سُننے کے پہلے یاد رکھو کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرّہٗ۔ حضرت سیّد احمد صاحب رح کو اُن کے ابتدائے وقت سے "میر صاحب" کہا کرتے تھے۔ اور حضرت مولانا عبدالحئی صاحب رح اور ہم سب معتقد لوگ "میاں صاحب" کہا کرتے تھے اور مولانا عبدالحئی مولانا محمد اسمٰعیل کو میاں محمد اسمٰعیل کہا کرتے تھے۔ چونکہ اس حکایت کو ہم بجنسہٖ لفظ بلفظ بیان کریں گے اور یہ لفظیں اس میں آویں گی، اس واسطے اِن لفظوں کے یاد رکھنے کو کہا۔ اب وہ حکایت سنو۔

ایک روز اس عاجز مسکین نے حضرت عالمِ ربّانی مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ جو اس قدر میاں صاحب سے اعتقاد رکھتے ہیں اور روپے پیسے کپڑے وغیرہ دنیاوی چیزوں کو چھوڑ کے میاں صاحب کی صحبت اختیار کیے ہیں، اور آپ کے بدن پر جو کپڑا ہے اس کے سوا آپ کے پاس کہیں کپڑا بھی نہیں اور آپ جب میاں صاحب کے روبرو بات کرتے ہیں تو ترساں ولرزاں رہا کرتے ہیں تو لِلّٰہ آپ ہم سے سچ بیان کیجیے کہ آپ نے میاں صاحب سے کیا پایا جو اپنا حال ایسا بنایا

تب مولانا مغفور نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں سچ بیان کروں گا سُنو، میرا حال تھا کہ میں سُلوک اِلی اللہ اور مشاہدہ حاصل ہونے کا بڑا مشتاق تھا تب مَیں نے مولانا شاہ عبدالعزیز قُدِّسَ سِرُّہٗ سے عرض کیا کہ مجھ کو آپ سلوک اِلَی اللہ تعلیم کیجیے اور اس کے قبل میں بہت سے ہندی اور ولایتی مرشدوں سے توجّہ لے چکا تھا، مگر میرا مقصود حاصل نہ ہُوا تھا تب آپ نے مجھ کو حضرت شاہ غلام علی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے پاس بھیجا۔ وہاں بھی چند روز توجّہ لیتا رہا۔

مگر میرا مقصد حاصل نہ ہُوا۔ تب مَیں نے حضرت مولانا سے پھر عرض کیا کہ یہ خادم حضور کی توجّہ کا محتاج ہے اور حضور دوسرے مقام میں بھیجتے ہیں ہم کو آپ خود تعلیم کیجیے۔ تب حضرت مولانا نے فرمایا کہ میاں میں بہت بڈھا اور کمزور ہُوا اور مجھ میں بہت دیر تک بیٹھنے کی طاقت نہیں یہ مقصد تمہارا میر احمد صاحب سے حاصل ہوگا۔ تم اُن سے بیعت کرو۔ تب اس جناب کا یہ فرمانا مجھ کو بہت شاق گزرا اور میں ناراض ہوکر چُپ رہا۔ پھر کئی بار اور بھی عرض کیا، وہی جواب پایا۔ آخر کو بعد چند روز کے یہ واقعہ درپیش ہُوا کہ مَیں اور حضرت میاں صاحب اور میاں محمد اسمٰعیل مدرسے کے ایک ہی مکان میں رہا کرتے تھے۔ ایک شب کو بعد عشاء کے جب ہم تینوں شخص پلنگ پر سوئے، تب میاں صاحب نے فرمایا کہ "مولانا، مجھ کو حضرت ربّ العالمین نے محض اپنے فضل و کرم سے بطور الہام کے خبر دیا ہے کہ فلانی تاریخ فلانے سفر میں تو جاوے گا۔ فلانے مقام میں یہ ہوگا۔ فلانے مقام میں وہ ہوگا اور اس قدر لوگ مرید ہوں گے"۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس سب باتیں بیان کیا۔ پھر دوسرے روز بھی ایسی ہی عجیب و غریب باتیں بیان کیا۔ اسی طرح سے کئی روز تک مکّہ معظّمہ کے سفر اور جہاد کے سفر اور جہاد کے واقعات کا بیان بتفصیل تمام فرمایا۔ تب ہم نے اور میاں محمد اسمٰعیل نے مشورہ کیا کہ اگر یہ سب باتیں سچ بیان کرتے ہیں تو بلا شُبہہ یہ بہت بڑے شخص اور قطب ہیں ان سے کچھ فیض لینا بہت ضرور ہے۔ سو آؤ کسی بات میں ان کا امتحان کریں۔ تب میاں محمّد اسمٰعیلؒ نے کہا کہ آپ ہم سے بڑے ہیں، آپ ہی تجویز کرکے کسی بات میں امتحان کیجیے۔ آخر کو جب پھر رات کو میاں صاحب نے پُکارا کہ مولانا! تب ہم نے عرض کیا کہ حضرت، آپ کی بزرگی میں کچھ شُبہہ نہیں، مگر ہم کو ان سب باتوں سے کیا فائدہ؟ کچھ ہم کو عنایت کیجیے۔ تب فرمایا کہ مولانا، کیا مانگتے ہو؟ تب ہم نے کہا کہ حضرت، ہم یہی مانگتے ہیں کہ جیسی نماز صحابۂ کرام ادا کرتے تھے، ویسی ہی دو رکعت ہم سے ادا ہو۔ یہ کہا اور میاں

صاحب ایک بارگی خاموش ہوگئے اور اس روز پھر کچھ نہ بولے۔ تب ہم لوگوں نے جانا کہ فقط یہ زبانی باتیں تھیں، اصل باتوں سے ان کو کچھ علاقہ نہیں! مگر ہمیشہ کی دوستی اور صحبت کی مروّت سے ہم لوگ کچھ نہ بولے کہ اب شرم دینا کیا ضرور اور چُپ کر کے سو رہے۔ پھر آدھی رات کے کچھ قبل یا بعد حضرت میاں صاحب نے پکارا "مولانا" اس پکارنے سے مجھ کو قشعریرہ[1] ہوا اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہوگئے اور اس جناب سے مجھ بڑا اعتقاد آگیا۔ تب مَیں نے جواب مَیں کہا "حضرت" تب فرمایا کہ "جاؤ اس وقت اللہ کے واسطے وضو کرو"۔ تب میرے بدن پر پھر قشعریرہ ہُوا اور مَیں نے کہا کہ بہت خوب! دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا "مولانا، سُن لو!" میں پھر کے حضرت کے پاس حاضر ہُوا۔ فرمایا "تم نے خوب سمجھا، مَیں نے کیا کہا؟ مَیں نے کہا اللہ کے واسطے وضو کرو"۔ پھر مَیں نے کہا "بہت خوب" اور چلا۔ دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور اسی طرح فرمایا۔ اسی طرح تین بار کیا، اور تیسری بار جا کے میں وضو کرنے لگا تو ایسا حضورِ دل اور حق سبحانہٗ کے خوف سے مَیں نے اَدب کے ساتھ وضو کیا کہ ایسا وضو کبھی نہ کیا تھا۔ پھر وضو کر کے حضرت کے حضور میں حاضر ہُوا۔ فرمایا کہ "جاؤ، اللہ ربّ العلمین کے واسطے اس وقت دو رکعت نماز پڑھو"۔ تب میرے بدن پر قشعریرہ ہُوا اور نماز کے واسطے چلا۔ دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور مَیں حضور میں حاضر ہُوا۔ فرمایا کہ۔ تم نے خوب سمجھا یا نہیں؟ مَیں نے کہا کہ جاؤ۔ اس وقت اللہ ربّ العالمین کے واسطے دو رکعت نماز پڑھو"۔ مَیں نے کہا کہ۔ بہت خُوب! اور نماز کے واسطے چلا۔ پھر تیسری بار بُلایا اور ویسا ہی سمجھا دیا۔ تب مَیں نے ایک گوشے میں نماز شروع کیا تو تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ ہی ایسا مشاہدۂ جلال میں غرق ہُوا کہ ہوش نہ باقی رہا اور اس قدر رویا کہ آنسو سے ڈاڑھی تر ہوگئی اور اس قدر نماز میں غرق ہوگیا کہ دُنیا کی

---

[1] لرزہ اور رونگٹے کھڑے ہو جانا۔

یاد مطلق نہ باقی رہی اور نہایت خوف اور لذّت کے ساتھ مَیں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ جب دو رکعت پڑھا تو خیال کیا کہ مَیں نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھا تھا پھر سلام پھیر کے دوبارہ دوسری بار دو رکعت کی نیت کیا۔ جب پڑھ چکا تو خیال کیا کہ فاتحہ میں سورۃ کو ضم نہ کیا تھا۔ پھر شروع کیا۔ اسی طرح ہر بار ایک ایک واجب کے ترک کرنے کا خیال آتا تھا اور نماز کو ناقص سمجھ کے دہراتا تھا۔ واللہ اعلم، سو رکعت یا زیادہ کم پڑھا ہوگا کہ صبح صادق کا قریب ہُوا پھر آخر کو ناچار ہو کے سلام پھیرا اور بہت شرمندہ ہُوا کہ میری استعداد اِس طرح کی ناقص ہے کہ دو رکعت پوری بھی حضورِ دل کے ساتھ نہ پڑھ سکا ! اتنے بڑے کامل شخص کو مَیں نے آزمایا۔ اب اگر وہ پوچھیں کہ تم نے دو رکعت اللہ کے واسطے پڑھا تو میں کیا جواب دوں گا؟ مَیں تو حضورِ دل کے ساتھ جیسا کہ حق نماز پڑھنے کا ہے ویسا دو رکعت بھی پڑھ نہ سکا۔ اسی سوچ میں شرم کے دریا میں غرق ہو گیا اور اپنے قصور کا معترف ہو کے اللہ سبحانہٗ کے خوف سے اَسْتَغْفِرُ اللہ ! اَسْتَغْفِرُ اللہ ! کہنے شروع کیا۔ جب اذان ہوئی، تب مجھ کو ہوش ہُوا اور یاد پڑا کہ صحابۂ کرامؓ کا یہی حال تھا کہ تمام رات عبادت کرتے اور پچھلی رات کو استغفار کرتے تھے۔ ان کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ اور سوچا کہ بلاشُبہہ یہ بڑے کامل مُرشد ہیں کہ اُن کے کلام سے میرا مقصد پُورا ہُوا اور جو نعمت مُدّتِ دراز کی محنت سے حاصل نہ ہُوئی تھی، سو ان کے ایک دم کے فرمانے سے حاصل ہُوئی۔ پھر میں مسجد میں گیا اور قبل نماز فجر کے مَیں نے حضرت میاں صاحب سے بیعت کیا اور صبح کی نماز کے بعد میاں محمّد اسمٰعیل سے مَیں نے رات کا قصّہ پُورا بیان کیا۔ کیونکہ وہ مجھ کو صادق جانتے تھے، اُنھوں نے بھی حضرت میاں صاحب سے بیعت کیا۔ پھر میں دن کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس گیا اور رات کا قصّہ بیان

کیا اور اپنے بیعت کرنے کا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ "بارک اللہ! بارک اللہ! خوب کیا! میاں، مَیں تم سے اسی واسطے کہا کرتا تھا۔ کیوں میاں تم نے میر صاحب کا کمال دیکھا؟" تب میں نے عرض کیا کہ "حضرت، مَیں نے بہت درویشوں کی خدمت کیا اور بہت طریقوں کے موافق مَیں نے شغل اور مراقبہ کیا۔ میرا مقصد کبھی نہ حاصل ہوا۔ حضرت سیّد صاحب نے ایک بات زبان سے کہہ دیا اور مَیں اپنا دلی مقصد پا گیا۔ حضرت! یہ کون طریقہ کہلاتا ہے؟ تب فرمایا کہ۔ "میاں ایسے لوگ کسی طریقے کے محتاج نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ جو زبان سے کہیں وہی طریقہ ہے۔ ایسے لوگ خود صاحبِ طریقہ ہوتے ہیں اور ایسے لوگ طریقہ نکالتے ہیں"۔ حضرت مولانا کے فرمانے سے اور بھی زیادہ مجھ کو حضرت میاں صاحب کے مُرشد صاحبِ طریقہ ہونے کا یقین ہوا اور میرا اعتقاد اور بھی زیادہ ہُوا۔ اس سبب سے میں میاں صاحب کی غلامی میں حاضر ہوں اور اُن کی غلامی کے قابل بھی مَیں اپنے تئیں نہیں پاتا۔" تمام ہُوئی تقریر مولانا عبدالحئی مرحوم کی۔"[1]

جب ایمان کارفرما ہوتا ہے

مولانا نورالحسن راشد صاحب زید مجدہٗ حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمہ اللہ (م ۱۲۸۳/۱۸۶۶ء) کا ایک رُوح پرور اور ایمان افروز واقعہ تحریر فرماتے ہُوئے لکھتے ہیں۔

"بزرگانِ دین کے حالات و واقعات میں عجب کیفیت و تاثیر ہوتی ہے اور اُن کے زبان و قلم سے نکلا ہُوا ایک ایک فقرہ کبھی کبھی زندگیوں میں ایسا انقلاب لے آتا ہے اور ایسی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے جو برسوں کے مطالعہ و کوشش اور ہزاروں وعظ و پند سے بھی نہیں ہوتی۔ ایسے ہی پُر تاثیر صاحبِ فیض خاصانِ خدا میں سے ایک معروف شخصیت

---

[1] سیرت سیّد احمد شہیدؒ ج ۱ ص ۱۲۰ تا ۱۲۵

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کی تھی۔ ان کے اخلاصِ نیت، سادگی، بے نفسی اور تعلق مع اللہ کے متعدّد واقعات ایسے ہیں جن کو پڑھ کر رُوح وجد کرتی ہے اور ایمان میں تازگی و طراوت محسوس ہوتی ہے، ایسے ہی مؤثّر و دل پذیر واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو آئندہ سطور میں درج کیا جارہا ہے اور پہلی بار شائع ہورہا ہے۔

راقم سطور نے یہ واقعہ (گڑھی پختہ ضلع مظفر نگر کے) بلوچ خاندان کے ایک معزز و عمر رسیدہ شخص جناب حسن علی خاں صاحب بلوچ سے سُنا تھا اور اسی وقت قلم بند کرلیا تھا، حسن علی خاں صاحب نے یہ واقعہ اپنی والدہ محترمہ سے سُنا تھا جو حضرت مولانا مظفر حسین سے بیعت تھیں، اور مولانا کی برگزیدہ و رابعہ وقت صاحبزادی حضرت اُمّی بی (امۃ الرحمان) کی خدمت میں حاضر رہتی تھیں۔

حضرت مولانا جس زمانہ میں اس وقت سفر کی سہولتیں بہت کم تھیں، سفر عموماً پیادہ پا یا چھکڑوں، بہلیوں میں ہوا کرتے تھے اور راستے غیر محفوظ اور پُرخطر تھے۔ بہر حال مولانا کسی ضرورت سے اپنے سب اہلِ خاندان کے ساتھ کاندھلہ سے گنگوہ کے لیے روانہ ہوئے اور اس وقت کاندھلہ سے گنگوہ جانے کے لیے وہ راستہ زیادہ موزوں سمجھا جاتا تھا جو موضع گڑھی پختہ سے ہوکر جاتا تھا، مولانا کا قافلہ گڑھی پختہ سے نکل کر گنگوہ کے راستہ میں کہ اچانک اس قافلہ کو ڈاکوؤں نے گھیر لیا، مولانا نے جب دیکھا کہ ہم ڈاکوؤں کے نرغہ میں آگئے ہیں اور ڈاکو حملہ کرنے، مارنے لوٹنے کے لیے آرہے ہیں تو حضرت مولانا گاڑی سے اُتر کر، ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور اس سے فرمایا کہ اپنا کام کرنے سے پہلے میری ایک بات سُن لو، سردار نے کہا: "کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ مولانا نے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ ایک معاملہ کرلوں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اس کی تفصیل پُوچھی تو مولانا نے کہا: معاملہ اس طرح کرلو کہ تم ہماری عورتوں کو مت

چھیڑنا، ہاتھ بھی نہ لگانا اور ہم اپنے پاس کوئی زیور، روپیہ پیسہ اور قیمتی سامان نہیں رکھیں گے، سب تمہیں دے دیں گے۔ (ڈاکوؤں کے لیے ہدایت و اصلاح کا وقت آچکا تھا) اُنھوں نے مولانا کی یہ فرمائش قبول کر لی، اب ڈاکوؤں کا گروہ ایک طرف بیٹھ گیا، مولانا اپنی گاڑیوں (بہلیوں یا چھکڑے) کے پاس آئے اور سب عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس کے پاس جو زیور اور قیمتی سامان ہو، وہ دے دو۔ عورتوں، بچیوں نے اپنے اپنے زیورات اُتارنے اور پیسے وغیرہ نکالنے شروع کر دیے، مولانا کھڑے ہوئے اس کی نگرانی فرماتے رہے، جب سب زیورات وغیرہ جمع ہو گئے تو مولانا ان سب کو ایک کپڑے میں باندھ کر ڈاکوؤں کے گروہ کے پاس لائے اور کہا: "بھائی! دیکھو، مَیں سب سامان لے آیا ہوں۔" یہ کہہ گٹھری اُن کے حوالہ کر دی اور ڈاکوؤں کی اس بات کے لیے تحسین فرمائی کہ اُنھوں نے اپنی بات کو نبھایا اور کسی عورت کو دیکھا تک نہیں۔ ڈاکو وہ سامان لے کر خوش ہو گئے اور مولانا کا قافلہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

مولانا کا قافلہ کچھ ہی دُور چلا تھا کہ مولانا کے ساتھ جانے والی عورتوں میں کچھ کھُسر پھُسر شروع ہوئی۔ حضرت مولانا نے اس کو محسوس کر لیا اور پُوچھا کیا بات ہے؟ عورتوں نے کہا، کچھ نہیں، مگر جب مولانا نے سختی سے معلوم کیا تو بتایا کہ وہ فلاں یہ کہہ رہی ہے کہ میری ہنسلی (گلے میں پہننے کا ایک زیور جو خاصا بھاری اور قیمتی ہوتا ہے) بچ گئی۔ مَیں نے کپڑوں کے نیچے چھُپا لی تھی مولانا نے یہ سُنا تو فوراً سواری روکنے کی ہدایت کی۔ گاڑی سے اُتر کر مولانا ان خاتون کے پاس آئے اور فرمایا: "بی بی! یہ تو وعدہ خلافی ہے، چونکہ ہم ڈاکوؤں سے وعدہ اور معاہدہ کر چکے ہیں اس لیے یہ زیور اُن کا ہو چکا ہے، لاؤ، مجھے دو، مَیں ڈاکوؤں کو دے کر آؤں گا۔" اس خاتون نے وہ زیور اُتار کر مولانا کے حوالہ کر دیا، مولانا گاڑی سے اُتر کر واپس گئے اور وہاں پہنچے جہاں ڈاکوؤں کا گروہ پڑا ہُوا تھا۔ ڈاکو مولانا کو واپس آتا ہُوا دیکھ کر یہ سمجھے کہ شاید بڑے میاں (مولانا) کے معاون و مددگار آ گئے ہیں اور یہ مقابلہ کے لیے آئے

ہیں، اس خیال سے ڈاکو ہتھیار اُٹھانے لگے، تو مولانا نے فرمایا، میں لڑنے کے لیے نہیں آیا۔ میں تو ایک بات کہنے اور تمہاری ایک امانت تمہیں لوٹانے کے لیے آیا ہوں۔

مولانا یہ فرمانے کے بعد ڈاکوؤں کے سردار کے پاس پہنچے اور اس سے مخاطب ہوکر فرمایا، "بھائی! میں تمہارے سے معافی مانگنے اور تمہاری ایک امانت واپس کرنے آیا ہوں۔ تم اپنے وعدہ اور بات کے سچّے نکلے ہم نہ نکلے یہ ایک زیور ہے جو ایک بچّی نے اپنے کپڑوں میں چھپالیا تھا، مگر کیونکہ تمہارے سے وعدہ ہوچکا تھا اس لیے اَب یہ ہمارا نہیں رہا۔ تمہارا ہے۔ میں یہی دینے کے لیے آیا تھا، یہ زیور سنبھالو اور اس بچّی کی غلطی کو معاف کردو۔"

ڈاکوؤں کا سردار مولانا کی بات سُن کر بولا، "تم مولوی مظفر حسین کاندھلوی تو نہیں ہو۔ اس علاقہ میں تو وہی ایک ایسے سچّے آدمی ہیں۔" مولانا نے فرمایا، "ہاں بھائی، مظفر حسین میرا ہی نام ہے۔ ڈاکوؤں کا سردار یہ سُنتے ہی مولانا کے قدموں میں گر گیا اور ڈاکوؤں کے پُورے گروہ میں گریہ و بکا اور آہ وزاری شروع ہوگئی اور اسی وقت سب ڈاکوؤں نے اپنے اس کام اور تمام گناہوں سے توبہ کی، مولانا سے بیعت ہوگئے اور مولانا کے قافلہ سے لیا ہُوا ایک ایک سامان واپس کردیا اور عہد کیا کہ ہم نے آج تک جن لوگوں کا سامان لوٹا ہے یا کسی قسم کی تکلیف پہنچائی ہے، ان کو تلاش کرکے ان کا سب سامان واپس کریں گے یا ان سے معافی مانگیں گے....

کسی نے سچ کہا ہے:

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا"[1]

---

[1] سہ ماہی رسالہ احوال و آثار (کاندھلہ) ج ۱ ش ۳ ص ۸۸

دارالفکر اُردو بازار کراچی کی مطبوعات

(۱) موت کے عبرت انگیز واقعات : حضرت مولانا عبدالمؤمن فاروقی رح -/۱۶

(۲) قبر کی پہلی رات : جناب مولانا صوفی محمد اسمٰعیل رح -/۲۲

(۳) تکبّر اور فساد (دو ناپسندیدہ خصلتیں)
شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رح -/۱۲

(۴) علم حقیقتِ نبوّت ہے : خطیب الاُمّت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رح -/۱۲

(۵) بغیر گھاٹے کی تجارت : حضرت مولانا سیّد محمد ارشد مدنی مدظلہٗ -/۱۲

(۶) حسد اور بغض : 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 -/۱۲

(۷) مصیبتوں کے اسباب اور اُن کا علاج : 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 -/۱۰

(۸) خزینہ دین ودُنیا : حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رح
جناب مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہٗ -/۱۵

(۹) ٹی وی اور عذاب قبر (اضافہ شدہ) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہٗ
جناب مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہٗ -/۱۲

(۱۰) اورادِ رحمانی : حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح -/۳۰

(۱۱) ذائقہ (کھانا پکانے کی بہترین کتاب) محترمہ خیر النساء بہتر مرحومہ -/۳۰

یہ کتابیں اور دیگر اسلامی مطبوعات ملنے کا مرکز

مکتبہ رشیدیہ

عائشہ منزل بالمقابل مقدس مسجد اُردو بازار کراچی

اراکین جامعہ مدنیہ کی زیر نگرانی گائے کی قربانی کا بندوبست کیا جارہا ہے۔ جو حضرات حصہ لینا چاہیں

فوری طور پر رابطہ فرمائیں

الداعی

مولانا شیر محمد۔ قاری غلام رسول منشی محمد یونس

مدینہ مسجد کریم پارک لاہور، فون ۲۰۱۰۸۶

نوٹ

قربانی کی کھالوں کا بہترین مصرف آپ کا اپنا مدرسہ

جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور